عظمتِ قرآن
مارچ ۱۹۹۴ ، شمارہ ۲۰۸

الرسالہ
Al-Risala

زیرِ سرپرستی
مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز



MASJID HASAN AL-THANI, MOROCCO

ایمان ایک زندہ یقین کا نام ہے
نہ کہ محض جامد اور بے روح عقیدہ کا۔

INDIAN MUSLIMS

The Need For A Positive Outlook

By Maulana Wahiduddin Khan

Man must run the gauntlet of adversity in this life, for that is in the very nature of things. But repeated emphasis on the darker side of life, with no mention of brighter prospects ahead can lead only to discouragement, depression and inertia. The better way to find solutions to the problems besetting us would be to seek out and lay stress on whatever opportunities present themselves, so that those upon whom fortune has not smiled may feel encouraged to take the initiative in improving themselves and their lot in life.

In the light of concrete realities, this book focuses, therefore, on how, in entering upon the more positive avenues open to them, Muslims may avail themselves of the same kind of opportunities right here in India as they would find at any other point on the globe. For them treading this path is treading the path of wisdom.

Price | Rs. 175 (Hardbound)
Rs. 65 (Paperback)

ISBN 81-85063-80-X (HB)
ISBN 81-85063-81-8 (PB)

Published by
AL-RISALA BOOKS
1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013
Tel: 4611128 Fax: 91-11-4697333

Distributed by
UBS Publishers' Distributors Ltd.
5 Ansari Road, New Delhi 110002
Bombay Bangalore Madras Calcutta Patna Kanpur London

عظمت قرآن

Al-Risala Book Centre
1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110 013

Printed by Nice Printing Press, Delhi

ارشاداتِ قرآن

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔ بہت مہربان ، نہایت رحم والا ہے۔ انصاف کے دن کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے فضل کیا۔ ان کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب ہوا، اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو راستہ سے بھٹک گئے' (الفاتحہ)

لوگو، عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو اور تم سے قبل والوں کو پیدا کیا تاکہ تم بچ جاؤ۔ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنادیا۔ اور اوپر سے پانی برسایا۔ پھر تمہاری غذا کے لیے ہر طرح کی پیداوار نکالی۔ پس تم کسی کو اللہ کا برابر نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم جانتے ہو (البقرہ ۲۱-۲۲)

اللہ ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ ہے ، سب کو تھامے ہوئے ہے۔ اس کو نہ اونگھ لگتی اور نہ نیند آتی۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے سامنے بغیر اس کی اجازت کے سفارش کر سکے۔ جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے سب کا اسے علم ہے۔ اس کے علم کے کسی گوشہ پر بھی کوئی شخص حاوی نہیں ہو سکتا مگر وہ جو چاہے۔ اس کا اقتدار آسمانوں اور زمین پر چھایا ہوا ہے۔ ان کی نگہبانی اس کے لیے تھکا دینے والا کام نہیں۔ وہی سب سے اوپر ہے ، وہی سب سے بڑا (البقرہ ۲۵۵)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا ہے۔ اور تم کو ہماری طرف پلٹنا نہیں ہوگا۔ پس برتر ہے اللہ ، بادشاہ حقیقی ، کوئی اس کے سوا معبود نہیں۔ وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے تو اس کے پاس اس کے لیے کوئی دلیل نہیں۔ اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ ایسے منکر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اور کہو کہ اے ہمارے رب ، ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم کر تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے (المومنون ۱۱۵-۱۱۸)

اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے الجھیں تو وہ کہہ دیتے ہیں تم کو سلام۔ اور جو اپنے رب کے حضور سجدہ اور قیام میں رات گزارتے ہیں۔ اور جو

کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو جہنم کے عذاب سے بچالے ، اس کا عذاب تو لپٹ جانے والا ہے۔ وہ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے اور برا مقام۔ اور جو خرچ کرتے ہیں تو وہ نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل، بلکہ ان کا خرچ دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔ اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے ، اور وہ اللہ کی حرام کی ہوئی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔ اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے دن اس کو دہرا عذاب دیا جائے گا اور اس میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا ، اِلّا یہ کہ کوئی توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل صالح کرے، تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا ، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو وہ اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنا چاہیے۔ اور وہ لوگ جو جھوٹ کی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ کسی لغو چیز پر گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ اور جنھیں اگر ان کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے تو وہ اس پر اندھے بہرے کی طرح نہیں گرتے۔ اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ، ہم کو اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔ یہی لوگ بالاخانوں میں جگہ پائیں گے۔ کیونکہ انھوں نے صبر کیا اور اس میں ان کا استقبال تحیت اور سلام کے ساتھ ہوگا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی اچھا ہے وہ ٹھکانا اور کیا ہی اچھا ہے وہ مقام (الفرقان ۶۳ – ۷۶)

اپنے رب کے راستہ کی طرف پکارو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔ اور لوگوں سے بحث کرو ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو۔ تمہارا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون سیدھے راستہ پر ہے۔ اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اتنا ہی لو جتنا کہ تم پر زیادتی کی گئی ہے۔ اور اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔ اور صبر سے کام لو، تمہارا صبر اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور ان پر غم نہ کرو اور ان کی کارروائیوں پر دل تنگ نہ ہو۔ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس سے ڈریں اور جو نیک عمل کرتے ہیں (النحل ۱۲۵ – ۱۲۸)

کامیاب ہوگیا وہ جس نے اپنے کو پاک کیا۔ اور اپنے رب کا نام لیا۔ پھر نماز ادا کی۔ بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو۔ اور آخرت بہتر ہے اور پائدار ہے۔ یہی اگلے صحیفوں میں بھی ہے ، اور ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی (الاعلیٰ ۱۴–۱۹)

قرآنی افکار

دنیا میں جو چیزیں پائی جاتی ہیں وہ عام طور پر دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم کی چیزیں وہ ہیں جن کی ایک مثال گھر ہے۔ دوسری قسم کی چیزیں وہ ہیں جن کی ایک مثال درخت ہے۔

گھر کیا ہے۔ گھر متفرق اجزاء کا ایک مجموعہ ہے۔ اینٹ، سمنٹ، لوہا، لکڑی، اس قسم کی مختلف چیزوں کو مخصوص ترتیب سے اکٹھا کیا جاتا ہے تو ایک گھر بن کر تیار ہو جاتا ہے۔ گھر کا ہر جزء دوسرے جزء سے الگ ہے۔ ان الگ الگ اجزاء میں جو چیز وحدت پیدا کرتی ہے وہ صرف ان کی ترتیب ہے۔

درخت کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ درخت ایک وحدت کے متفرق ظہور کا نام ہے۔ درخت کی اصل ایک زندہ حقیقت ہے جس کو بیج کہا جاتا ہے۔ یہ زندہ حقیقت جب اپنی توسیعی صورت میں ظاہر ہو کر تنہ، شاخ، پتی، پھول، پھل کی صورت میں کھڑی ہو جائے تو اس کو درخت کہا جاتا ہے۔

قرآن میں کہا گیا ہے: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح مثال بیان فرمائی اللہ نے کلمہ طیبہ کی۔ وہ ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ زمین میں جمی ہوئی ہے، اور جس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ ہر موقع پر اپنا پھل دیتا ہے اپنے رب کے حکم سے۔ اور اللہ لوگوں کے لیے مثال بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (ابراہیم ۲۴-۲۵)

قرآن کی ان آیتوں میں ایک مثال کے ذریعہ ایمان واسلام کی حقیقت بتائی گئی ہے۔ اس کے مطابق، اللہ پر ایمان ایک توسیع پذیر حقیقت ہے جس طرح بیج ایک توسیع پذیر حقیقت ہوتا ہے۔ درخت جب اپنی مطلوبہ زمین میں متمکن ہو جائے تو وہ بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ وہ اپنے اطراف کی پوری دنیا سے اپنی خوراک لیتے ہوئے بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ مکمل درخت بن جاتا ہے۔

اسی طرح ایمان جب ایک انسان کے سینہ میں جگہ پاتا ہے تو اس کے بعد وہ فوراً بڑھنے لگتا ہے۔ خدا کی پوری کائنات اس کے لیے "رزق خیر" کا دستر خوان بن جاتی ہے۔ حیات انسانی کے تمام پہلوؤں میں اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سرسبز وشاداب ربانی درخت

بن کر کھڑا ہو جاتا ہے جس کا دوسرا نام مومن ہے۔

جس طرح درخت تنہ اور شاخ اور پھول اور پھل وغیرہ کی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے اس طرح ایمان بھی ایک فرد کی زندگی میں مختلف اور متنوع صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ باایمان فرد ایک ایسی شخصیت بن جاتا ہے جو اپنے توسیعی پہلوسے زمین و آسمان کی وسعتوں میں پھیلا ہوا ہو، ایمان کا یہ توسیعی اضافہ جن مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے اس کو الگ الگ ممیز کرنے کے لیے ان کو شکر، خشوع، تواضع، توکل، عبادت، صبر، اخلاق، حسن معاملہ، ایفاء عہد، عدل، امانتداری، ادائیگی حقوق، امر بالمعروف، دعوت الی اللہ وغیرہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ ایمان سب سے پہلے یہ کرتا ہے کہ وہ آدمی کی مردہ شخصیت کو ایک زندہ شخصیت بنا دیتا ہے۔ وہ اللہ کی معرفت میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس کو ہر وقت اللہ کی یادوں کا رزق ملتا رہتا ہے۔ دنیا کی محدودیت سے نکل کر وہ آخرت کی لامحدود وسعتوں میں پہنچ جاتا ہے۔ وہ حیاتِ عارضی سے گزر کر حیاتِ ابدی کے جلوؤں کو پالیتا ہے۔ اس کو وہ بھرپور زندگی حاصل ہو جاتی ہے جس کو قرآن میں حیاتِ طیبہ کہا گیا ہے۔

ایمان جب اس طرح کسی آدمی کی اندرونی شخصیت کی تعمیر کرتا ہے تو وہ زندگی کے خارجی پہلوؤں میں بھی حسب حالات ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ دوسروں سے بات چیت میں، دوسروں سے لین دین میں، دوسروں سے معاملہ کرنے میں اس کا حال وہ ہو جاتا ہے جس کا نقشہ قرآن کے ان لفظوں میں کھینچا گیا ہے: وہ شخص جو مُردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندگی دے دی اور ہم نے اس کو ایک روشنی دی کہ اس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے (الانعام ۱۲۲)

اسی کے ساتھ اس فرد مومن میں اصلاح کا بے پناہ جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس جذبۂ اصلاح کا ایک ظہور وہ ہے جو مومنوں کی جماعت کے درمیان ہوتا ہے۔ اور دوسرا وہ ہے جس کا ظہور غیر مسلموں کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ پہلے گروہ کے درمیان مومن کے اس اصلاحی کام کا عنوان، قرآن کے الفاظ میں، امر بالمعروف والنہی عن المنکر ہے، اور غیر مسلموں کے درمیان اس اصلاحی کام کا عنوان دعوت الی اللہ۔ اس قسم کے افراد جب قابل لحاظ تعداد میں اکٹھا ہو جائیں تو ان کے لیے اس اجتماعی نصرت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے جس کو تمکین فی الارض کہا گیا ہے۔

تدوین وحفاظت

قرآن کے لغوی معنی ہیں ـــــ وہ چیز جو پڑھی جائے۔ قرآن یا القرآن اب اس مقدس کتاب کا نام ہے جو خدا کی آخری اور محفوظ کتاب ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کتاب کا پہلا حصہ ۶۱۰ء میں مکہ میں فرشتہ جبریل کی معرفت اتارا گیا۔ اور اس کا آخری حصہ ۶۳۲ء میں مدینہ میں نازل ہوا۔ ہجری کیلنڈر کے اعتبار سے ۲۳ سال میں اس کے نزول کی تکمیل ہوئی۔

تمام الہامی کتابوں میں قرآن کی یہ استثنائی صفت ہے کہ اس کا متن تاریخی اعتبار سے ایک مکمل طور پر محفوظ متن ہے۔ مثال کے طور پر تورات اور انجیل اسرائیلی پیغمبروں کے ظہور کے کئی نسلوں کے بعد محض یادداشت سے لکھی گئیں اور پھر سیکڑوں سال تک ان کے علما، ان کتابوں کی غلطیوں کی بطور خود تصحیح کرتے رہے۔ مگر قرآن کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ مکمل طور پر خود پیغمبر اسلام ؐ کے زمانہ میں لکھا گیا۔ پورے علمی استناد کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبر نے جو الفاظ لکھوائے عین وہی الفاظ آج بھی قرآن کی صورت میں لکھے ہوئے ہمارے پاس موجود ہیں۔

قرآن کے متن کی حفاظت کا یہ انتظام کیا گیا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر وقت کچھ ایسے اصحاب رہتے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ جیسے ہی قرآن کا کوئی حصہ اترتا آپ فوراً ان کاتبوں میں سے کسی کاتب کو بلاتے اور بطریق املاء نازل شدہ آیتوں کو لکھوا دیتے۔

اسی کے ساتھ آپ کے تمام اصحاب قرآن کو زبانی یاد کر لیا کرتے تھے۔ اس طرح قرآن کی حفاظت کے لیے وہ دہرا انتظام کیا گیا جس کو ایک مستشرق نے دہرا چیکنگ (double-checking) کا نظام کہا ہے۔ اس دہرا انتظام کا مقصد یہ تھا کہ لکھے ہوئے کو یادداشت سے جانچا جائے، اور یادداشت کو لکھے ہوئے سے جانچا جائے۔ تاکہ کلام کی صحت میں کوئی شبہہ باقی نہ رہے۔

قرآن کی حفاظت کا یہ دہرا نظم پورے اہتمام کے ساتھ برابر قائم رہا۔ ایک دن کے لیے بھی اس میں فرق واقع نہیں ہوا۔ ساری مسلم دنیا میں نسل در نسل لاکھوں لوگ ہر صبح وشام اس دہرا انتظام حفاظت کو قائم رکھنے میں مشغول رہے۔ یہ عمل ہزار سال سے بھی زیادہ مدت تک

مسلسل جاری رہا، یہاں تک کہ انیسویں صدی عیسوی میں پریس کا دور آگیا۔ پریس کا دور آجانے کے بعد قرآن میں تحریف یا تبدیلی کا امکان ہی سرے سے ختم ہوگیا۔ آج اگر کوئی شخص دنیا میں گھومے اور ہر شہر سے قرآن کا ایک چھپا ہوا نسخہ حاصل کرے۔ پھر وہ ان ہزاروں نسخوں کا تقابل کرے تو وہ ایک نسخہ اور دوسرے نسخہ میں کسی بھی قسم کا کوئی لفظی فرق نہیں پائے گا۔

قرآن کی صرف کتابت محفوظ نہیں ہے، بلکہ اس کا طرزِ ادا بھی محفوظ ہے۔ آج ایک مسلمان جب قرآن کو کھول کر پڑھتا ہے تو آواز کے اعتبار سے وہ اسی طرز ادا کا اتباع کرتا ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا یا جس کی تلقین آپ نے فرمائی تھی۔ آج کے ایک قاریٔ قرآن کے طرز ادا میں اور زمانۂ نبوت کے طرز ادا میں حقیقی اعتبار سے کوئی صوتی فرق نہیں۔

مثال کے طور پر سورہ القیامۃ میں ایک آیت ہے جو اس طرح لکھی جاتی ہے: وقیل مَن راق۔ عربی گرامر کے لحاظ سے اس آیت کو ایک جملہ کے طور پر مسلسل پڑھنا چاہیے۔ مگر قرآن کا ہر قاری جب اس کو پڑھتا ہے تو وہ مَن پر سکتہ کرتا ہے۔ یعنی وقیلَ مَن کہہ کر وہ ایک لمحہ کے لیے ٹھہرتا ہے، اس کے بعد وہ کہتا ہے: راق۔ قواعد زبان کے اعتبار سے اس طرز ادا کا کوئی سبب نہیں ہے۔ یہ صرف اس لیے ہے کہ راویوں نے یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت پڑھی تو آپ مَن کہہ کر ایک لمحہ کے لیے رک گئے اور پھر اگلا لفظ ادا فرمایا۔ یہی معاملہ سارے قرآن کی تلاوت کا ہے۔

الفاظ قرآن کی ادائیگی میں نبوت کا یہ اتباع انتہائی کامل صورت میں آج تک قائم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح قرآن کو پڑھتے تھے، اس کو آپ کے اصحاب نے آپ سے سنا اور ٹھیک اسی طرح اس کو دہرایا۔ پھر تابعین نے صحابہ سے سنا اور عین اسی طرح اس کو دہرایا۔ اس کے بعد تبع تابعین نے تابعین سے سنا اور اس کو ویسا ہی دہرایا۔ اس طرح نسل در نسل نبوت کی تلاوت ٹھیک اسی طرح دہرائی جاتی رہی۔ پچھلے لوگ اپنے اگلے لوگوں کو اسے سناتے رہے۔ یہ سلسلہ زمانۂ نبوت سے لے کر اب تک مسلسل بلا انقطاع جاری ہے۔ یہاں تک کہ آج ایک عرب عالم جب قرآن پڑھتا ہے تو گویا کہ وہ ایک زندہ ٹیپ کی مانند عین اسی تلاوت کو دہرا رہا ہوتا ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے فرمائی تھی۔

قرآن خدا کی کتاب

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اُس کی بابت یہ اعلان کیا تھا کہ ـــــ جن لوگوں نے نصیحت کی اس کتاب کا انکار کیا جب کہ وہ ان کے پاس آگئی، اور بے شک یہ ایک زبردست کتاب ہے۔ اس میں باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ حکیم وحمید کی طرف سے اتاری گئی ہے (حم السجدہ ۴۱-۴۲)

تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے جب قرآن اترا، اس وقت ان الفاظ کی حیثیت ایک پیشین گوئی کی تھی۔ آج یہ پیشین گوئی ایک تاریخی واقعہ بن چکی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ایک استثنائی نوعیت کی کتاب ہے۔ وہ ایک ایسے خدا کی طرف سے بھیجی گئی ہے جو تمام طاقتوں سے زیادہ بڑی طاقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قسم کے مخالفانہ حالات کے باوجود یہ ممکن نہ ہو سکا کہ اس میں کوئی دخل اندازی یا بگاڑ واقع ہو، نہ براہِ راست اور نہ بالواسطہ۔

یہ کوئی سادہ سی بات نہیں، یہ ایک انتہائی غیر معمولی بات ہے۔ اس قسم کے ایک واقعہ کو اسباب کی دنیا میں ظہور میں لانے کے لیے کائناتی طاقتیں درکار ہیں۔ اس کو صرف خداوند عالم ہی ظہور میں لا سکتا ہے۔ اور یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن خداوندِ عالم کی کتاب ہے۔

اس پیشین گوئی کو عالم اسباب میں واقعہ بننے کے لیے ضروری تھا کہ ایک طاقتور انسانی گروہ مستقل طور پر اس کی پشت پر موجود رہے۔ پچھلے نبیوں کی تعلیمات اور اس کی تعلیمات میں غیر مطابقت پیدا نہ ہو۔ کوئی ادیب یا مفکر قرآن کا جواب لکھنے پر قادر نہ ہو۔ کوئی نئی نبوت نبوّتِ محمدی کی حریف بن کر نہ ابھر سکے۔ علومِ انسانی کا ارتقا اس کی کسی بات کو کبھی غلط ثابت نہ کرے۔ تاریخ کا اتار چڑھاؤ کبھی اس پر اثر انداز نہ ہونے پائے۔ قرآن کی زبان (عربی) ہمیشہ ایک زندہ زبان کی حیثیت سے باقی رہے۔ وغیرہ

قرآن کے نزول کے بعد سے اب تک کی لمبی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ تمام اسباب حیرت انگیز طور پر اس کے حق میں جمع رہے ہیں۔ قرآن کے سوا کوئی بھی دوسری کتاب ایسی نہیں جس کے حق میں یہ غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہو۔

قرآن کا یہ استثنائی معاملہ اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ قرآن خدا کی کتاب ہے، وہ کسی جن یا کسی انسان کی تصنیف نہیں۔

دور اول میں مکہ میں قرآن اور حاملین قرآن انتہائی کمزور تھے۔ مکہ کے طاقت ور مخالفین اگر اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو جاتے تو قرآن کی کہانی مکہ سے شروع ہو کر مکہ ہی میں ختم ہو جاتی۔ مگر اس کے بعد معجزاتی طور پر اہل مدینہ (انصار) اس کی حمایت پر کھڑے ہو گئے اور قرآن کی تاریخ آگے بڑھ گئی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دوبارہ قرآن اور حاملین قرآن کی حالت، حضرت عائشہ کے الفاظ میں، ایسی ہو گئی جیسے سردیوں کی بارش میں بھیگی ہوئی بکری۔ مگر اس کے بعد اعاجم (بیرون عرب کی قومیں) بہت بڑی تعداد میں قرآن کے دین پر ایمان لائیں اور اس کی تاریخ کا سفر دوبارہ مزید تیزی کے ساتھ جاری ہو گیا۔

اس کے بعد مختلف سلطنتیں قائم ہوئیں۔ ان کے درمیان باہمی طور پر سخت اختلافات رہے۔ حتی کہ بعض اوقات ایک مسلم گروہ دوسرے مسلم گروہ کا جانی دشمن ہو گیا۔ مگر جہاں تک قرآن کا تعلق ہے، اس کی حفاظت اور اس کے احترام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ہر جماعت اور ہر حکمراں اس کو اپنے لیے فخر سمجھتا رہا کہ وہ قرآن کا خادم اور محافظ بنا رہے۔

عباسی سلطنت کے بعد وحشی منگول عالم اسلام پر چھا گئے۔ بظاہر ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ تاریخ کو الٹی سمت میں چلانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر پچاس سال کے اندر یہ معجزہ پیش آیا کہ خود قرآن نے ان فاتحین کو مسخر کر لیا۔ ان کی اکثریت قرآن کے دین میں داخل ہو کر قرآن کی خادم بن گئی۔

اس کے جلد ہی بعد ترک ابھرے۔ انھوں نے عظیم عثمانی خلافت قائم کی جو یورپ سے ایشیا تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان میں بہت سی کمزوریاں تھیں۔ علم کے اعتبار سے بھی وہ بہت پیچھے تھے۔ مگر جہاں تک قرآن کا تعلق ہے، وہ آخری حد تک قرآن کے وفادار بنے رہے، قرآن کی خدمت اور حفاظت میں وہ ہمیشہ پوری طاقت کے ساتھ سرگرم عمل رہے۔

بیسویں صدی میں جدید صنعتی انقلاب نے حاملین قرآن کو اتنے پیچھے دھکیل دیا کہ وہ کسی بھی موثر کارروائی کے قابل نہ رہے۔ مگر عین اس وقت "پٹرول" کی طاقت ظاہر ہوئی۔ صنعتی نظام کا ایندھن پٹرول تھا اور اس پٹرول کا ۸۵ فیصد حصہ حاملین قرآن کے قدموں کے نیچے جمع ہو گیا۔ اس طرح موجودہ زمانہ میں پٹرول کی قدرتی نعمت قرآن کی حامی بن کر کھڑی ہو گئی۔ قرآن دوبارہ اس قابل ہو گیا کہ وہ تاریخ میں اپنی پیش قدمی کو بدستور جاری رکھ سکے۔

سچائی کو پانے والا

معانی کی دنیا خدا کے جلووں کی دنیا ہے۔ کون ہے جو خدا کے جلووں کو انسانی زبان میں بیان کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں الفاظ ختم ہو جاتے ہیں وہاں سے معانی کا آغاز ہوتا ہے۔ ہم جب کسی معنی کو بیان کرتے ہیں تو ہم اس کو بیان نہیں کرتے بلکہ اس کو کچھ گھٹا دیتے ہیں۔ اس کے اوپر ایک لفظی پردہ ڈال دیتے ہیں۔

کسی بامعنی حقیقت کو کوئی شخص محض اس کے الفاظ سے سمجھ نہیں سکتا۔ ایک اندھا شخص کسی کے بتانے سے یہ نہیں جان سکتا کہ پھول کیا ہے۔ اسی طرح ایک شخص جس نے معنوی حقائق کو دیکھنے کی صلاحیت اپنے اندر نہ جگائی ہو وہ معنوی حقائق سے باخبر نہیں ہو سکتا۔ خواہ ڈکشنری کے تمام الفاظ اس کے سامنے دہرا دیئے جائیں، خواہ قاموس المعانی کی تمام جلدوں کو اسے پڑھا دیا جائے۔

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ مگر اس کتاب سے ہدایت اسی کو ملتی ہے جو اپنے اندر تقویٰ کی صفت رکھتا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سچائی اس کو ملتی ہے جس کے دل میں سچائی کی کھٹک موجود ہو۔ جو شخص سچائی کی تلاش میں ہو، سچائی جس کی ضرورت بن گئی ہو، جو سچائی کو پانے کے لئے اتنا بے قرار ہو کہ وہ اسی کی یاد لے کر سوتا ہو اور اسی کی یاد لیکر جاگتا ہو۔ جو آدمی اس طرح سچائی کا طالب ہو، قرآن اسی کے لئے ہدایت بنتا ہے۔

ایسا شخص گویا ہدایت کا نصف راستہ طے کر چکا ہے۔ وہ اپنے اندر چھپے ہوئے عہد الست کی خدائی آوازوں کو سن رہا ہے۔ وہ اپنے اندر اس صلاحیت کو بیدار کر چکا ہے جو معانی کی زبان کو سمجھتی ہے۔ ایسا شخص مادی دنیا سے بے رغبتی کی وجہ سے عالم حقائق سے اتنا قریب آجاتا ہے کہ وہ فرشتوں کی سرگوشیوں کو سننے لگتا ہے۔

نبوت کا علم ملنے سے پہلے یہ تمام تجربات آدمی کے اندر مبہم اور مجہول انداز میں ہوتے ہیں۔ اس کے بعد جب قرآن کی آواز اس کے اندر داخل ہوتی ہے تو وہ اس کی کتاب فطرت کی تفسیر بن جاتی ہے وہ اپنے اندر چھپے ہوئے غیر ملفوظ اشارات کو ملفوظ زبان میں پالیتا ہے۔ اب قرآن اور قرآن کو پڑھنے والا دونوں ایک دوسرے کا مثنیٰ بن جاتے ہیں۔ قرآن وہ بن جاتا ہے اور وہ قرآن۔

قرآن کی اہم ترین صفت یہ ہے کہ وہ ہدایت کی کتاب ہے۔ قرآن سچائی کا دروازہ ہے۔ قرآن کے ذریعہ آدمی سچائی کی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ ہمارے پاس آنکھ ہے۔ مگر جب تک کوئی روشنی اندھیرے کو نہ ہٹائے ہم باہر کی چیزوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ قرآن یہی روشنی ہے۔ وہ ہماری بصارت کو بصیرت کی نعمت عطا کرتا ہے۔

قدیم عرب میں بہت سے لوگ تھے جن کو حنفاء کہا جاتا تھا۔ آج کل کی زبان میں وہ سچائی کے متلاشی تھے۔ ان کی اندرونی طلب ایک چیز کو چاہتی تھی۔ مگر ان کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا چیز ہے۔ مگر جب قرآن اترا اور انھوں نے اس کو پڑھا تو قرآن کی باتیں ان کو اپنے دل کی آواز معلوم ہوئیں۔ انھوں نے بڑھ کر اس کو قبول کر لیا۔ قرآن ان کے ذہن کے لیے اطمینان اور ان کے دل کے لیے تسکین کا ذریعہ بن گیا۔

ٹھیک اسی طرح آج بھی بے شمار لوگ ہیں جو حق کے متلاشی ہیں۔ مگر ان کو نہیں معلوم کہ وہ حق کیا ہے اور کہاں ہیں۔ ان میں سے کسی شخص کو جب قرآن پڑھنے کو ملتا ہے تو وہ پکار اٹھتا ہے کہ قرآن ہی وہ ہدایت نامہ ہے جس کی تلاش اس کی روح کر رہی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر قرآن کے دین کو اختیار کر لیتا ہے۔ وہ قرآن کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔

آدمی ایک ایسی دنیا میں آنکھ کھولتا ہے جہاں سورج روشنی بکھیر رہا ہے مگر وہ نہیں بتاتا کہ وہ کیوں ایسا کر رہا ہے۔ ہوائیں اس کو آکسیجن سپلائی کرتی ہیں مگر وہ نہیں بتاتیں کہ وہ کس منصوبہ کے تحت ایسا کر رہی ہیں۔ یہاں ہر طرف صحت بخش پانی موجود ہے مگر وہ بھی اس کی خبر نہیں دیتا کہ وہ کس سرچشمۂ رحمت کے فیض سے ایسا کر رہا ہے۔ زمین کی سطح پر جگہ جگہ اونچے پہاڑ کھڑے ہوئے ہیں مگر کسی پہاڑ پر ایسا کوئی بورڈ نہیں لگا ہوا ہے جس پر ان کائناتی سوالات کا جواب لکھا ہوا ہو۔

قرآن اسی کمی کو پورا کرتا ہے۔ قرآن حقائق فطرت کا اعلان ہے۔ قرآن ہم کو زندگی اور کائنات کے رازوں سے آگاہ کرتا ہے۔ وہ انسان کے آغاز اور اس کے انجام کی اطلاع دیتا ہے۔ قرآن ہر آدمی کے لیے گائڈ بک ہے جس کی رہنمائی میں وہ اپنے سفر حیات کو طے کر سکے۔

قرآن ایک استثنائی کتاب

عبداللہ بن المقفع عباسی دور کا ایک ادیب ہے۔ ۱۴۲ھ (۷۵۹ء) میں اس کا انتقال ہوا۔ اس نے ایک فارسی کتاب (پنچ تنتر) کا ترجمہ عربی میں کیا تھا جس کا نام کلیلہ و دمنہ ہے۔ یہ کتاب اولاً سنسکرت میں قدیم بھارت میں لکھی گئی تھی۔ مگر اب اس کا سنسکرت نسخہ معدوم ہو چکا ہے۔ اس کتاب کے ترجمے دنیا کی اکثر زبانوں میں ہوئے۔ مگر وہ سب اس کے فارسی ترجمہ یا عربی ترجمہ سے کیے گئے ہیں۔

محمد بن موسیٰ الخوارزمی (م ۸۴۹ء) بھی دور عباسی کا ایک مشہور عالم ہے۔ اس نے علم حساب میں ایک کتاب لکھی جس کا نام الجامع والتفریق بحساب الہند ہے۔ علم ہندسہ پر یہ کتاب بیحد اہم سمجھی جاتی ہے۔ مگر اب اس کا اصل عربی نسخہ معدوم ہو چکا ہے۔ اس کا قدیم ترین نسخہ صرف لاطینی ترجمہ کی صورت میں محفوظ ہے:

His work on Hindu-Arabic numerals is preserved only in a Latin trnaslation. (V/ 797)

دور پریس کے پہلے لکھی جانے والی اکثر کتابوں کا یہی حال ہے۔ وہ یا تو سرے سے معدوم ہو چکی ہیں۔ مثلاً ابو مسلم خراسانی کی تفسیر قرآن۔ یا اصل کتاب معدوم ہو گئی اور اب صرف اس کا ترجمہ دنیا میں پایا جاتا ہے، جیسے کہ مذکورہ دونوں کتابیں۔ اس میں مقدس کتابوں کا بھی استثناء نہیں۔ مثلاً انجیل کا قدیم ترین نسخہ یونانی میں ہے۔ یہ ابتدائی انجیل کا ترجمہ ہے۔ وہ حضرت مسیح کے زمانہ کی انجیل نہیں۔ کیوں کہ یونانی زبان حضرت مسیح کی زبان ہی نہ تھی۔ حتی کہ دور پریس سے پہلے کی جن کتابوں کا قدیم نسخہ موجود ہے، ان میں بھی دستی کتابت کی وجہ سے اتنا فرق ہے کہ ان کا کوئی بھی دو نسخہ بالکل یکساں نہیں۔

اس عموم میں صرف ایک استثناء ہے، اور وہ قرآن کا ہے۔ قرآن کا زمانۂ نزول ۶۳۲-۶۱۰ء ہے۔ وہ مکمل طور پر دور پریس سے پہلے کے زمانہ میں آیا۔ مگر حفاظت کے کامل اہتمام کے ساتھ وہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ دور پریس میں پہنچ گیا، جس کے بعد کسی قسم کی تحریف یا تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔

یہ اس بات کا ایک تاریخی ثبوت ہے کہ قرآن ایک استثنائی کتاب ہے۔ پھر یہ استثناء کوئی سادہ استثناء نہیں۔ وہ اتنا نادر ہے کہ انسانی اصطلاحوں میں اس کی کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ اس غیر معمولی

استثنار کی قابل فہم توجیہ صرف ایک ہو سکتی ہے ، اور وہ یہ کہ اس کو خدائی معاملہ سمجھا جائے۔ یہ خدا تھا جس نے تاریخ میں مداخلت کر کے اس استثنار کو ممکن بنایا۔

قدیم یونان میں جو کتابیں یونانی زبان میں لکھی گئیں، ان میں دو کتابیں بہت مشہور ہیں۔ ایک الیڈ (Illiad) اور دوسرے اوڈیسی (Odyssey) الیڈ ایک مفروضہ جنگ کی کہانی بیان کرتی ہے اور اوڈیسی ایک مفروضہ سفر کی داستان ہے۔ لٹریری اہمیت کی بنا پر ان کتابوں کے ان گنت ترجمے کیے گیے ہیں۔ مگر دونوں کتابوں کے بارے میں عجیب بات یہ ہے کہ ان کے مصنف کا نام قطعیت کے ساتھ معلوم نہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کتابوں کا مصنف ہومر (Homer) ہے جس کا زمانہ غالباً نویں صدی یا آٹھویں صدی قبل مسیح تھا۔ تاہم ہومر کے بارہ میں تاریخی معلومات تقریباً نہیں کے برابر ہیں:

Virtually nothing is known about the life of Homer (Vol. V, p. 103).

محققین نے اس مفروضہ پر بھی زبردست اعتراضات کیے ہیں کہ یہ کتابیں فی الواقع ہومر کی تصنیف ہیں۔ مثلاً سموئل بٹلر (۱۹۰۲ - ۱۸۳۵) کا خیال ہے کہ اوڈیسی ایک عورت کی لکھی ہوئی ہے۔ اسی طرح الیڈ کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ وہ کئی مرحلوں میں مختلف افراد کی کوششوں سے مرتب ہوئی (EB-8/1017) قدیم زمانہ کی کتابوں کا عام طور پر یہی حال ہے۔ ان کے بارے میں معلومات اتنی کم ہیں کہ ان کے ذریعہ ان کی کوئی واضح تاریخی تصویر نہیں بنتی۔

دور قدیم کی کتابوں میں قرآن واحد کتاب ہے جس کی ہر بات معلوم اور مسلّم ہے۔ جس کی واقعیت تاریخ کے ہر معیار پر پوری اترتی ہے۔ جو مکمل طور پر ایک تاریخی کتاب ہے —— قرآن کب اترنا شروع ہوا، ۶۱۰ء میں۔ کس کے اوپر اترا، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کے اوپر۔ وہ کہاں پیدا ہوئے اور کہاں وفات پائی، ۵۷۱ء میں مکہ میں پیدا ہوئے اور ۶۳۲ء میں مدینہ میں وفات پائی۔ قرآن کی زبان کیا تھی، عربی زبان۔ شروع میں قرآن کے کاتب کون لوگ تھے، ابو بکر بن ابی قحافہ، عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، زبیر بن العوام، زید بن ثابت، عامر بن فہیرہ، ابو ایوب انصاری، ابی بن کعب، معاویہ بن ابی سفیان، عبداللہ بن مسعود، وغیرہ۔

اسی طرح قرآن اور صاحب قرآن کے بارہ میں جو بھی تاریخی سوال کیا جائے، اس کا واضح جواب یقینی طور پر موجود ہوگا۔ جب کہ دور قدیم کی کسی بھی دوسری کتاب کو یہ خصوصیت حاصل نہیں۔

علمی تصدیق

ستمبر ۱۹۹۲ میں ایک عالمی سفر کے تحت میں انگلینڈ میں تھا۔ برطانیہ کے وقت اور انڈیا کے وقت میں ساڑھے چار گھنٹہ کا فرق ہے۔ یعنی ہر روز برطانیہ کی گھڑی چار گھنٹہ آگے ہوتی ہے اور اس کے مقابلہ میں انڈیا کی گھڑی ساڑھے چار گھنٹہ پیچھے۔

ایک روز میں نے برمنگھم میں عشاء کی نماز پڑھی۔ اچانک خیال آیا کہ میں اس وقت اگر میں انڈیا پہنچ جاؤں تو وہاں منظر بالکل دوسرا ہوگا۔ جس وقت میں نے برمنگھم میں عشاء کی نماز پڑھی ہے، اُس وقت انڈیا کی مسجدوں میں عصر کی نماز کی تیاری ہو رہی ہوگی۔ یعنی جس وقت برمنگھم میں رات ہے، اس وقت دہلی میں دن ہے۔ اور جس وقت دہلی میں دن نظر آرہا ہے اس وقت برمنگھم میں رات ہو چکی ہے۔

اس فرق پر میں غور کر رہا تھا تو مجھے قرآن کی وہ آیت یاد آگئی جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ مشرقوں اور مغربوں کا مالک ہے (فلا اقسم برب المشارق والمغارب انا لقادرون) المعارج ۴۰

قرآن کے نزول کے وقت انسان کی زبان میں مشرق اور مغرب کے الفاظ صرف واحد کے صیغہ کے ساتھ استعمال ہوتے تھے، وہ جمع کے صیغہ کے طور پر استعمال نہیں کیے جاتے تھے۔ یعنی اس وقت کا انسان ایک مشرق یا ایک مغرب کو جانتا تھا، وہ کئی مشرق اور کئی مغرب کے تصور سے ناواقف تھا۔ مگر قرآن نے عمومی رواج کے خلاف ان الفاظ کو جمع کے طور پر استعمال کیا۔ اس طرح گویا اعلان کیا کہ یہاں مشرق بھی کئی ہیں اور مغرب بھی کئی ہیں۔ آج قرآن میں بتائی ہوئی یہ بات ایک آفاقی واقعہ بن کر ساری دنیا میں ثابت شدہ بن چکی ہے۔

قدیم زمانہ کا انسان صرف مقامی دائرہ میں سوچتا تھا۔ اس کو اس بات کی خبر نہ تھی کہ جس وقت وہ اپنے مقامی افق پر سورج کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھتا ہے اس وقت دوسرے مقامات پر دوسری آفتابی حالت ہوگی۔ یا یہ کہ جس وقت وہ اپنے افق پر سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہے اس وقت دوسرے مقامات پر اس کے علاوہ دوسرا آفتابی منظر ہوگا۔ مگر آج یہ بات عمومی طور پر معلوم بات بن چکی ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو قرآن کی یہ آیت قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کا ایک علمی ثبوت ہے۔ کیوں کہ چودہ سو سال پہلے جب کہ انسان تعدد مشارق اور تعدد مغارب کی حقیقت سے بے خبر تھا، یہ صرف ایک برتر ہستی ہی کے لیے ممکن تھا کہ وہ اس کائناتی حقیقت کو جانے اور اس کے بارہ میں نہایت صحیح بیان دے۔

قرآن کا ایک بڑا حصہ وہ ہے جس میں کائناتی مظاہر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مثلاً ستاروں کی گردش، زمین پر صبح وشام کا ہونا، ماں کے پیٹ میں بچہ کی پرورش، نباتات اور حیوانات کے معاملات، ہواؤں کے تصرفات، وغیرہ۔

قرآن میں یہ حوالے چودہ سو سال پہلے دیے گئے تھے۔ اس وقت انسانی تاریخ ابھی روایتی دور میں تھی۔ کائناتی مظاہر کے بارہ میں اس وقت جو خیالات دنیا میں پھیلے ہوئے تھے وہ سب توہمات اور مفروضات پر مبنی تھے۔ مگر قرآن کے ان حصوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قرآنی بیانات پر مروجہ اوہام کا کوئی عکس نہیں۔ زمانی خیالات کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے قرآن میں ایسے اشارے کیے گئے جو بعد کی علمی دریافتوں کے عین مطابق تھے۔

مثلاً قرآن میں اعلان کیا گیا کہ تمام زندہ چیزیں پانی سے بنائی گئی ہیں (الانبیاء ۳۰) اس آیت کے نزول کے وقت کوئی بھی متعین طور پر نہیں جانتا تھا کہ پانی اور زندہ چیزوں کے درمیان کس قسم کا ربط ہے۔ یہ بہت بعد کی تحقیقات ہیں جن کے بعد سائنس کی کتابوں میں لکھا گیا کہ نباتات، حیوانات اور انسان سب کے لیے پانی بالکل لازمی ضرورت ہے۔ نباتات اور حیوانات کے جسم میں جتنے بھی عمل ہوتے ہیں ان سب میں پانی کا حصہ ہوتا ہے :

Water is essential to terrestrial life, participating in virtually every process that occurs in plant and animal organism. (X/565)

پانی کی یہ اہمیت قدیم زمانہ میں متعین طور پر معلوم نہ تھی۔ اس وقت قرآن میں مذکورہ واقعہ کا اعلان کیا گیا، اور وہ اعلان بعد کی علمی دریافتوں کے عین مطابق ثابت ہوا۔ قرآن کا یہ پہلو اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ قرآن ایک لامحدود ذہن سے نکلا ہوا کلام ہے۔ کوئی محدود ذہن ایسا ابدی کلام پیش کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔

قرآنی انقلاب

جسٹس امیر علی (۱۹۲۸-۱۸۴۹) کی کتابوں میں اسپرٹ آف اسلام (The Spirit of Islam) بہت مشہور ہے۔ وہ پہلی بار ۱۸۹۱ میں لندن سے شائع ہوئی۔ مصنف نے اس کتاب میں صفحہ ۲۹۵ پر پروفیسر جانسن (Johnson) کا ایک اقتباس نقل کیا ہے، یہ اقتباس قرآن کے بارہ میں ہے۔ پروفیسر جانسن لکھتے ہیں :

"If it is not poetry, - and it is hard to say whether it be or not, - it is more than poetry. It is not history, nor biography. It is not anthology, like the Sermon on the Mount; nor metaphysical dialectics, like the Buddhist Sutras; nor sublime homiletics like Plato's conferences of the wise and foolish teachers. It is a prophet's cry, Semitic to the core; yet of a meaning so universal and so timely that all the voices of the age take it up, willing or unwilling, and it echoes over palaces and deserts, over cities and empires, first kindling its chosen hearts to world-conquest, then gathering itself up into a reconstructive force that all the creative light of Greece and Asia might penetrate the heavy gloom of Christian Europe, when Christianity was but the Queen of Night."

قرآن اگر شاعری نہیں ہے، اور یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ شاعری ہے یا نہیں ہے، تب بھی وہ شاعری سے زیادہ ہے۔ وہ تاریخ نہیں ہے اور نہ وہ سوانح عمری ہے۔ وہ انجیل کے پہاڑی کے وعظ کی طرح مجموعۂ امثال نہیں ہے، وہ مابعد الطبیعاتی مکالمہ نہیں ہے جیسا کہ بدھا کے سوتر میں پایا جاتا ہے۔ وہ موعظت بھی نہیں ہے جیسا کہ افلاطون کے یہاں عاقل اور نادان کی مجلسوں میں پایا جاتا ہے۔ وہ ایک پیغمبر کی پکار ہے۔ وہ آخری حد تک سامی اور عربی ہے، اس کے باوجود اس میں ایسی معنویت ہے جو انتہائی آفاقی ہے اور وہ اتنا مطابق وقت ہے کہ ہر زمانہ کی آوازیں اس کو ماننے پر مجبور ہیں، خواہ وہ اس کو چاہیں یا نہ چاہیں۔ اس کی آواز کی بازگشت محلوں اور صحراؤں میں، شہروں اور بادشاہتوں میں سنائی دیتی ہے۔ پہلے وہ اپنے منتخب دلوں میں عالمی فتح کی آگ سلگاتا ہے۔ اس کے بعد وہ ایک ایسی تعمیری طاقت بن جاتا ہے جیسے کہ یونان اور ایشیا کی تمام تخلیقی روشنی مسیحی یورپ کی گہری تاریکیوں میں داخل ہو جائے، اس وقت جب کہ مسیحیت صرف رات کی ملکہ کی حیثیت رکھتی تھی۔

قرون وسطی میں یورپ کا طریقہ ، اساتذہ کی کتابوں کو پڑھنا اور انھیں کی رایوں کو دہرانا تھا۔ اس کے مقابلہ میں عربوں نے تجربہ و مشاہدہ پر مبنی طریق تحقیق کو رواج دیا۔ تحقیقات علمی کے لیے تجرباتی طریقہ کو کچھ لوگ غلط طور پر راجر بیکن کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ کے موجد عرب تھے۔ گستاؤ لیبان نے اعتراف کیا ہے کہ یہ در اصل عرب تھے جنھوں نے علمی تحقیقات میں تجربہ کو داخل کیا (تمدن عرب)

ڈریپر نے لکھا ہے کہ "عربوں کی عقل سلیم نے یہ بات انھیں سمجھا دی تھی کہ سائنس کی ترقی محض تخیل سے نہیں ہو سکتی۔ اس کا صحیح اور یقینی ذریعہ صحیفہ فطرت کا عملی مطالعہ ہے۔ وہ حکمت نظری پر حکمتِ عملی کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کے علم کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر تھی۔ فن ہندسہ اور ریاضیات کو وہ استدلال و استنباط کے آلات تصور کرتے تھے۔ علم ہیئت میں انھوں نے غیر معمولی ترقیاں کیں۔

موسیو تاتاں نے "جنرل ہسٹری آف سائنس" میں لکھا ہے کہ عربوں نے دنیا میں علمی ذوق کو نئے سرے سے بیدار کیا۔ وہ رصدگاہ، جر ثقیل اور علم کیمیا کے حیرت انگیز آلات کے موجد تھے۔ انھوں نے تاریخ میں پہلی بار اسپتال قائم کیا جہاں نہ صرف مریضوں کا علاج ہوتا تھا، بلکہ طبیبوں کی ٹریننگ اور طبی تحقیقات کا کام بھی انجام دیا جاتا تھا۔

عربوں میں یہ علمی ذوق کیسے پیدا ہوا۔ جواب یہ ہے کہ قرآن کے ذریعہ۔ قرآن میں بار بار نہایت طاقت ور انداز میں کائنات کے مطالعہ پر زور دیا گیا ہے۔ کائناتی مطالعہ پر یہ زور اگرچہ اثباتِ توحید اور اضافۂ ایمان کے مقصد کے تحت دیا گیا تھا۔ مگر جب کائنات کے مطالعہ کا ذہن پیدا ہو گیا تو قانون فطرت کے مطابق وہ ایک حد پر نہیں رکا۔ وہ مزید آگے بڑھا۔ اس ذہن کے دوسرے فائدے بھی نکلے۔ ان میں سے ایک فائدہ مذکورہ سائنسی ذوق کا پیدا ہونا تھا۔

صحیح ذہن اور صالح مزاج پیدا کرنے کی مہم چلائی جائے تو ابتدائی طور پر خواہ اس کا مقصد صرف ایک ہو، مگر جب وہ ظہور میں آتا ہے تو اس سے بے شمار دوسرے فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔

خلل سے پاک

قرآن نے اپنے بارہ میں یہ اعلان کیا ہے کہ بے شک یہ ایک زبردست کتاب ہے۔ اس میں باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ حکیم وحمید کی طرف سے اتاری گئی ہے (وانہ لکتاب عزیز۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید) حم السجدہ ۴۱-۴۲

"باطل نہ اس کتاب کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ اس کتاب کے پیچھے سے" یہ ایک جامع بیان ہے۔ اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ اندر اور باہر دونوں طرف سے محفوظ ہے۔ نہ یہ ممکن ہے کہ داخلی اعتبار سے اس کے ماننے والے اس کے متن میں کوئی تبدیلی لاسکیں اور نہ باہر کی کوئی طاقت ایسا کرسکتی ہے کہ وہ اس میں کوئی خرابی پیدا کردے۔

یہ ایک چیلنج بھی ہے اور ایک پیشین گوئی بھی۔ اور صدیوں پر صدیاں گزرتی جارہی ہیں مگر نہ قرآن کے اس چیلنج کو کوئی رد کرسکا اور نہ اس پیشین گوئی میں کوئی فرق واقع ہوا۔ جب کہ دور قدیم کی تمام کتابیں اس کا شکار ہوکر اپنی اعتباریت کھوچکی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں معلوم ہے کہ ان کے ہاتھ میں یہ صفت دی گئی تھی کہ جب وہ اس کو اپنی بغل میں ڈال کر اسے نکالتے تو ان کا ہاتھ سفید چمک دار ہوجاتا تھا۔ یہ واقعہ بائبل میں ان الفاظ میں درج ہے :

"پھر خداوند نے موسیٰ سے یہ بھی کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ کر ڈھانک لے۔ اس نے اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ کر اسے ڈھانک لیا اور جب اس نے اسے نکال کر دیکھا تو اس کا ہاتھ کوڑھ سے برف کی مانند سفید تھا۔ اس نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ پھر اپنے سینہ پر رکھ کر ڈھانک لے۔ اس نے پھر اسے سینہ پر رکھ کر ڈھانک لیا۔ جب اس نے اسے سینہ پر سے باہر نکال کر دیکھا تو وہ پھر اس کے باقی جسم کی مانند ہوگیا (خروج ۴ : ۶-۸)

اس عبارت میں "کوڑھ سے" کے الفاظ کسی یہودی عالم کا اضافہ ہیں۔ اس نے خود سے تشریح کے طور پر متن کے ساتھ یہ الفاظ لکھ دیے اور ایک عرصہ کے بعد وہ مقدس بن کر اصل متن

کا جزبن گئے۔ یہ مثال اس بات کی ہے کہ اندر کی طرف سے کتاب میں باطل کے داخل ہونے کا کیا مطلب ہے۔

اسی طرح بیرونی حکمراں بار بار یہودی اور مسیحی مراکز پر حملہ کر کے ان کی مقدس کتابوں کے نسخے تباہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آج ان کتابوں کا کوئی بھی قدیم مستند نسخہ موجود نہیں۔ مثال کے طور پر سینٹ میتھو (Matthew) نے اپنی انجیل ابتداءً آرامی زبان میں لکھی تھی، مگر وہ ضائع ہو گئی۔ اب اس کتاب کا قدیم ترین نسخہ صرف وہ ہے جو یونانی زبان میں پایا جاتا ہے (VI/697)

قرآن کے ساتھ ایسے مختلف اسباب جمع ہوئے جنھوں نے متن قرآن میں اس قسم کے الحاق کو ناممکن بنا دیا۔ قرآن کے "حاشیہ" میں مسلمانوں نے ہر دور میں خود ساختہ اضافے کیے اور آج بھی کر رہے ہیں۔ مگر کسی بھی مسلم شخصیت کے لیے یہ ممکن نہیں ہوا کہ وہ قرآن کے "متن" میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کر دے۔

مسلمانوں کا ایک گروہ جس نے علیؓ کی افضلیت کو سب سے بڑا مسئلہ بنایا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ قرآن میں علیاً کبیراً (النساء ۳۴) کی جو آیت ہے اس میں علیاً سے مراد خلیفہ چہارم علیؓ ہیں۔ اگر قرآن کا معاملہ دوسری کتابوں جیسا ہوتا تو قرآن میں ہم علیاً کے ساتھ "ابن ابی طالب" بھی لکھا ہوا پاتے۔ دور عباسی میں خلق قرآن کا فتنہ اتنے بڑے پیمانہ پر پیدا ہوا جیسے یہی قرآنی عقیدہ کا سب سے بڑا مسئلہ ہو۔ مگر یہاں بھی یہی ہوا کہ سارے نزاعات باہر باہر رہے۔ اگر قرآن محفوظ کتاب نہ ہوتا تو یقینی طور پر قرآن میں یا تو مخلوق کا لفظ بڑھا دیا گیا ہوتا یا غیر مخلوق کا لفظ۔

جس زمانہ میں کمیونزم کی دھوم تھی، کچھ لوگوں نے دعویٰ کیا کہ ان الارض للہ (الاعراف ۱۲۸) کا مطلب یہ ہے کہ زمین اسٹیٹ کی ہے۔ تاہم اشتراکیت کے ان پر جوش مبلغین کے لیے یہ ممکن نہ ہو سکا کہ وہ قرآن میں اضافہ کر کے یہ لکھ دیں کہ زمین اللہ کی ہے اور ریاست کی۔

موجودہ زمانہ میں کچھ مسلم دانشوروں نے یہ کہنا شروع کیا کہ مسلمان کا نصب العین یہ ہے کہ وہ دنیا میں اسلام کی حکومت قائم کرے۔ مگر دوبارہ یہ لوگ صرف تفسیر قرآن میں یہ بات لکھ سکے، وہ متن قرآن میں ایسی بات داخل کرنے پر قادر نہیں ہوئے۔ اگر قرآن کا خصوصی معاملہ نہ ہوتا تو ہم قرآن میں اسی طرح سیاست کی ایک آیت لکھی ہوئی پاتے جس طرح انجیل میں بعد کے نسخوں میں تثلیث کی آیت لکھی ہوئی ملتی ہے:

The First Epistle General of JOHN, 5:7

قرآن کی طاقت

ڈاکٹر ذاکر حسین (۱۸۹۷ - ۱۹۶۹) جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) کے معماروں میں سے تھے۔ آخر عمر میں وہ ہندستان کے صدر جمہوریہ بنائے گیے اور اسی عہدے پر رہتے ہوئے انتقال کیا۔ انھوں نے ریڈیو پر بہت سی تقریریں کی تھیں۔ ایک تقریر میں انھوں نے اپنے ایک ابتدائی استاد کا ذکر ان الفاظ میں کیا :

" خدا بخشے علی گڑھ کے مشہور استاد مولوی عباس حسین صاحب کو۔ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی، قرأتِ قرآن کا فن ختم ہو گیا۔ میرے اپنے استاد مرحوم (جن سے میں نے قرأت سیکھی) وہ اس کے آخری جاننے والوں میں تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر " ق " کا صحیح تلفظ مٹکے کے اندر کر دوں تو مٹکا پھٹ جائے " (بچوں کی تربیت ، نیا کتاب گھر لاہور، صفحہ ۹۵)

کیسی عجیب بات ہے کہ وہ قرآن جس کے اندر پہاڑوں کو ہلا دینے کی طاقت تھی (الحشر ۲۱) جس کو سُن کر کتنے لوگوں کے سینے شق ہو گیے (مثلاً عمر فاروق) وہ بالآخر ایک ایسے فن تک جا پہونچا جو بس مٹی کا ایک " مٹکا " توڑ سکتا تھا۔ اور اب یہ حال ہے کہ وہ کاغذ کے صفحات میں چھپا ہوا پڑا ہے ، اور اس کے اندر کسی بھی چیز کو توڑنے کی صلاحیت نہیں۔ حتی کہ اغیار یہ کہنے لگے ہیں کہ قرآن اب ایک ختم شدہ طاقت (Spent force) ہے، اب وہ کوئی کارنامہ انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا ، اور نہ اس کے ذریعہ سے دنیا میں کوئی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

یہ حالت اس لیے نہیں ہے کہ خدانخواستہ قرآن میں کوئی کمی واقع ہو گئی ہے۔ قرآن میں آج بھی تسخیری قوت ہے۔ آج بھی وہ انھیں طاقتوں کا خزانہ اپنے اندر لیے ہوئے ہے جس کا اظہار اس کے نزول کے ابتدائی زمانہ میں ہوا تھا۔ البتہ قرآن کے حاملین اس محفوظ خزانہ کو حاصل کر کے اس کو باہر کی دنیا میں لانے کے قابل نہ رہے۔

قرآن کی لفظی قرأت اگر مٹکا توڑ سکتی ہے تو اس کا معنوی اظہار دلوں اور دماغوں میں زلزلہ پیدا کر سکتا ہے۔ مگر اصل کمی یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں قرآن کے معنوی اظہار کے لیے کوئی حقیقی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ موجودہ زمانہ میں قرآن کا یہ پہلو ابھی تک غیر اظہار شدہ پڑا ہوا ہے۔

قرآن کی وہ معنوی طاقت کس طرح ظاہر ہوتی ہے جو دلوں پر ضرب لگائے اور سینوں میں ہلچل پیدا کر دے۔ وہ اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ قرآن کے معانی کو کھولا جائے۔ اس کو لوگوں کے لیے قابل فہم بنایا جائے۔ اس کو لوگوں کے شعور میں اتارا جائے۔

جو لوگ عربی زبان جانتے ہیں وہ براہ راست عربی متن سے یہ تاثر حاصل کریں گے۔ اور جو لوگ عربی نہیں جانتے وہ بھی جب قرآن کا ترجمہ پڑھتے ہیں تو وہ اس سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔

انسان فطری طور پر ایک "معبود" کی تلاش میں رہتا ہے۔ وہ شک اور یقین کے درمیان ہوتا ہے کہ اس کے کان میں قرآن کی یہ مرعوب کن آواز آتی ہے : أفی اللہ شك فاطر السماوات والارض (کیا تم کو شک ہے اللہ کے بارہ میں جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا) اور وہ حیرانی کے ساتھ کہہ اٹھتا ہے کہ خدایا، تو ہی زمین و آسمان کا خالق ہے۔ میں تیرے آگے جھک کر تیرا اقرار کرتا ہوں۔

انسان تردد میں ہوتا ہے کہ اس کائنات کا خدا ایک ہے یا اس کے کئی خدا ہیں۔ پھر وہ قرآن میں ان پُراثر الفاظ کو پڑھتا ہے : قل ھو اللہ احد (کہہ دو کہ وہ خدا ایک ہے) اسی طرح وہ قرآن میں پڑھتا ہے کہ لو کان فیھما آلھة الا اللہ لفسدتا (اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو یقیناً دونوں درہم برہم ہو جاتے) اور پھر انسان کے ذہن کے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ پکار اٹھتا ہے کہ بے شک خدا صرف ایک ہے، اس کے سوا کوئی خدا یا معبود اس کائنات میں نہیں۔

انسان اس گمان میں رہتا ہے کہ زندگی کا کوئی مقصد نہیں۔ یہاں بس پیدا ہونا ہے اور پھر مرجانا ہے۔ اس کے بعد وہ قرآن میں پڑھتا ہے : افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون (المومنون ۱۱۵)

اس کے بعد وہ بے تابانہ پکار اٹھتا ہے : ربنا ما خلقت ھذا باطلا (خدایا تو نے اس کو عبث نہیں پیدا کیا) وہ حیات اور کائنات کی حقیقت سے باخبر ہو کر رب العالمین کے سامنے جھک جاتا ہے۔ اس کی بے معنی زندگی اچانک بامعنی زندگی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

ایک تقابل

الکزینڈر توسپکو (Aleksandr Tosipko) سوویت روس کے ایک مشہور فلسفی ہیں۔ ان کی عمر ۵۰ سال کے قریب ہے۔ وہ ماسکو کے انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل اکونومک اینڈ پولیٹکل اسٹڈیز میں پروفیسر ہیں۔ نیویارک کے ہفتہ وار میگزین نیوز ویک کے نمائندہ نے ان سے ماسکو میں ملاقات کی اور ایک خصوصی انٹرویو لیا جو نیوز ویک کے شمارہ ۲۳ جولائی ۱۹۹۰ میں چھپا ہے۔ ایک سوال و جواب یہ ہے :

Q. How did your views of Marxism evolve? What was most important in your personal development?

A. When you read 'Das Kapital' it's all crystal clear by the time you reach page three. Only an idiot can really believe in Marxism.

نیوز ویک کے نمائندہ نے پوچھا کہ مارکسزم کے بارہ میں آپ کے خیالات کا ارتقا کس طرح ہوا۔ آپ کے ذاتی ارتقا میں سب سے زیادہ اہم کیا چیز تھی۔ روسی پروفیسر نے جواب دیا : جب آپ مارکس کی کتاب داس کیپٹال کو پڑھیں تو اس کے تیسرے صفحہ تک پہنچتے ہی بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ کوئی دیوانہ ہی حقیقۃً مارکسزم کی صداقت پر یقین کر سکتا ہے۔

سرمایہ دارانہ اقتصادیات کے بارہ میں مارکس نے اپنی کتاب داس کیپٹال جرمن زبان میں لکھی تھی۔ وہ پہلی بار ۱۸۶۷ء میں چھپی۔ اشتراکی حضرات کا کہنا تھا کہ یہ دور جدید کا قرآن ہے۔ اب انسان کو بائبل یا قرآن کی ضرورت نہیں، اب داس کیپٹال انسان کے لیے رہنما کتاب ہے۔ مگر صرف ایک صدی کے اندر اس کا طلسم ٹوٹ گیا۔ حتیٰ کہ اب خود اشتراکی دنیا میں اس کتاب کو دیوانگی کی کتاب کہا جا رہا ہے۔

اس کے برعکس قرآن اپنی اہمیت کو چودہ سو سال سے مسلسل برقرار رکھے ہوئے ہے۔ قرآن اور صاحب قرآن کے خلاف اب تک اس قسم کی کوئی بات ثابت نہ کی جا سکی۔ قرآن آج بھی "کتاب لاریب" بنا ہوا ہے۔ یہ قرآن کی ابدی صداقت کا ایک ناقابل انکار ثبوت ہے۔

انسانی کتابوں کا حال یہ ہے کہ وہ "تیسرے صفحہ" تک پہنچتے ہی اپنی غلطی کو واضح کر دیتی ہیں۔ اس کے برعکس قرآن اپنے "آخری صفحہ" تک ایک بے خطا کتاب ہے۔ یہ علمی واقعہ اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ قرآن خدا کی کتاب ہے نہ کہ کوئی انسانی کتاب۔

قرآن میں اعلان کیا گیا کہ کائنات کا خالق صرف ایک ہے۔ ایک ہی عظیم ہستی ہے جس نے پوری کائنات کو تخلیق کیا ہے اور وہی تنہا اس کو چلا رہا ہے۔ مگر مشرکین نے اس کی تردید کی۔ انھوں نے کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات میں بہت سی مختلف اور متضاد چیزیں ہیں۔ اسی کے ساتھ بظاہر اس میں جدا جدا نظام بھی نظر آتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کائنات کے خالق بھی متعدد ہیں اور اس کو چلانے والے بھی متعدد۔

جدید سائنس کے ظہور سے پہلے بظاہر یہ استدلال وزنی معلوم ہوتا تھا۔ مگر جدید سائنسی تحقیقات نے بتایا کہ بظاہر تنوع کے باوجود پوری کائنات ایک ہی قسم کے اجزاء سے ترکیب پاکر بنی ہے، اور وہ ایٹم ہے۔ اسی طرح مزید تحقیق نے بتایا کہ پوری کائنات ایک ہی محکم قانون کے تحت چل رہی ہے۔ اس میں کئی الگ الگ قوانین کی کارفرمائی نہیں۔ اس طرح شرک کا مفروضہ بے بنیاد ثابت ہوگیا اور توحید کا عقیدہ ایک علمی حقیقت کے طور پر ثابت شدہ بن گیا۔

قرآن میں کہا گیا کہ کائنات ابتداءً حالتِ رتق میں تھی، پھر اس کا فتق کیا گیا (الانبیاء ۳۰) نزول قرآن کے وقت یہ انوکھی بات تھی۔ مزید یہ کہ وہ ایک پرخطر پیشین گوئی کی حیثیت رکھتی تھی۔ کیوں کہ اگر وہ علمی مشاہدہ میں صحیح ثابت نہ ہو تو اس کے بعد پورا قرآن مشتبہ ہو جاتا۔ مگر بیسویں صدی کے نصف ثانی میں پہنچ کر خالص سائنسی طور پر ثابت ہوگیا کہ یہ عین مطابق واقعہ بیان تھا۔ آج قرآن کی یہ پیشین گوئی بگ بینگ نظریہ کی حیثیت سے سائنس کا ایک مسلّمہ بن چکی ہے۔

قرآن میں اعلان کیا گیا کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جو فرعون تھا، سمندر میں غرق ہونے کے بعد اس کا جسم محفوظ کر دیا گیا ہے تاکہ بعد والوں کے لیے نشانی کا کام دے (یونس ۹۲) جس وقت یہ اعلان کیا گیا اس وقت فرعون کے جسم کے بارہ میں دنیا کو کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ یہ تاریخ کے بارہ میں ایک نہایت پرخطر بیان تھا۔ مگر انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں حیرت انگیز طور پر فرعون موسیٰ کا مومیائی کیا ہوا جسم مصر کے ایک اہرام سے برآمد ہوگیا اور آج وہ قاہرہ کے قومی میوزیم میں مشاہدۂ عام کے لیے موجود ہے۔

اس طرح قرآن ہر دور میں اپنی صداقت کو مزید اضافہ کے ساتھ مسلّم کرتا جا رہا ہے۔ بعد کی علمی اور تاریخی دریافتیں قرآن کی تصدیق کر رہی ہیں، وہ اس کی تردید کرنے والی نہیں بنیں۔

صوتی اعجاز

۱-۶ فروری ۱۹۷۶ کو لیبیا کی راجدھانی طرابلس میں عیسائی علما، اور مسلم علما، کی ایک کانفرنس ہوئی۔ اس کا نام اسلامی مسیحی ڈائیلاگ (Islamic-Christian Dialogue) تھا۔ اس کانفرنس کو ویٹیکن اور حکومت لیبیا نے اسپانسر کیا تھا۔ اس میں ستر ملکوں کے تقریباً ۵۰۰ علما، اور دانشور شریک ہوئے۔

اس کانفرنس کا مقصد یہ تھا کہ مسیحی اہل علم اور مسلم اہل علم براہ راست گفت گو کر کے دونوں کے درمیان نزاعات کو ختم کریں اور باہمی طور پر امن و محبت کی فضا پیدا کریں۔ اس کانفرنس میں تین زبانوں (عربی، فرانسیسی، انگریزی) میں بولنے کا انتظام تھا۔ اس دوطرفہ بات چیت کے لیے جو موضوعات مقرر کیے گئے تھے وہ یہ تھے :

1. Can religion be an ideology for this life?
2. Social justice is the result of believing in God.
3. The common principles of faith in the two religions and points of encounter in the fields of life.
4. How to remove past and wrong judgments and lack of confidence which still separate us.

۶ فروری کی شام کو اس کانفرنس کا آخری اجلاس تھا۔ متفقہ طور پر یہ طے ہوا کہ حسن انجام کی علامت کے طور پر کانفرنس کا خاتمہ قرآن اور انجیل کی تلاوت پر ہو۔ اس کام کے لیے ایک مسیحی عالم کا انتخاب ہوا۔ طے ہوا کہ وہی قرآن کے ایک حصہ کی تلاوت کریں اور وہی انجیل کا ایک حصہ منتخب کر کے پڑھیں۔

یہ مسیحی عالم لبنان میں پیدا ہوئے۔ وہ عربی زبان بخوبی جانتے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے قاہرہ میں قیام کر کے باقاعدہ طور پر تجوید سیکھی۔ اس طرح وہ ایک اچھے قاری تھے۔ ان کی انھیں خصوصیات کی بنا پر انھیں مذکورہ خدمت کے لیے سب سے زیادہ موزوں سمجھا گیا۔

پروگرام کے مطابق، مذکورہ مسیحی عالم ہی نے دونوں تلاوتیں کیں۔ انھوں نے عربی انجیل سے متی باب ۲۵ کا انتخاب کیا۔ وہ خوش الحان بھی تھے اور فن تجوید سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ انھوں نے بالکل مصری قاری کی طرح اس کو پڑھا۔ اس کو بہتر بنانے کے لیے انھوں نے اپنی ساری کوشش صرف کر ڈالی۔

اس کے بعد اسی مسیحی عالم نے خود اپنے انتخاب کے مطابق، قرآن سے سورہ البقرہ کا آخری رکوع اور سورہ العلق کی کچھ آیات پڑھیں۔ دونوں تلاوت میں انھوں نے تجوید اور قرأت کے اصولوں کا

پورا اہتمام کیا۔ قرآن کو انھوں نے حسبِ قاعدہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا، اور تلاوت کے خاتمہ پر آخر میں صدق اللہ العظیم کہا۔

یہ میری زندگی کا ایک انوکھا تجربہ تھا اور غالباً ان ایک ہزار سامعین کے لیے بھی نیا اور انوکھا تھا جو اس وقت طرابلس کے مسرح التحریر میں موجود تھے۔ اصل انجیل ایک خدائی کتاب تھی۔ مگر ظاہر ہے کہ اس کا موجودہ عربی ترجمہ عملاً ایک انسانی کلام ہے۔ اس کے برعکس قرآن کی زبان مکمل طور پر الہامی زبان ہے۔ جب دونوں کتابوں کے حصے بیک وقت لوگوں کے سامنے آئے تو دونوں کا فرق ایک کھلی ہوئی حقیقت بن کر لوگوں کے سامنے آگیا۔ یہ دوطرفہ تلاوت گویا ایک خاموش اعلان تھی کہ یہ انسانی کلام ہے اور وہ خدائی کلام۔

انجیل کی قرأت میں ساری کوشش کے باوجود کوئی شکوہ پیدا نہ ہو سکا۔ مگر انجیل کی تلاوت کے بعد جب لاؤڈ اسپیکر پر قرآن کی تلاوت کی گئی تو قرآن حیرت انگیز طور پر ایک برتر کلام کی مانند ہال کے اندر گونجنے لگا۔ اس کی مجرد سماعت ہی یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ یہ ایک بلند تر خدائی کلام ہے اور وہ کوئی عام انسانی کلام۔ مسیحی عالم نے انجیل کے بعد جب قرآن کی تلاوت کی تو ایسا محسوس ہوا جیسے قرآن کی آواز نے انجیل کی آواز کو نگل لیا ہو۔ اس وقت بالکل وہی منظر دکھائی دینے لگا جس کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: فإذا هي تلقف ما يأفكون (الاعراف، ۱۱۷)

کانفرنس کی کارروائی ختم ہونے کے بعد تمام لوگ ایک بڑے ہال میں چائے پینے کے لیے جمع ہوئے۔ میں جس میز پر بیٹھا اس کے دوسرے جانب ایک نوجوان پادری تھے جو ویٹیکن سے آئے تھے۔ ان کا نام اینٹونی شولیکل (Dr Antony Shollikal) تھا۔ کانفرنس کے آخری پروگرام کا اثر ابھی سب کے ذہنوں پر باقی تھا جبکہ انجیل کی آواز پر قرآن کی آواز اس طرح چھا گئی جیسے کہ قرآن نے اس کو نگل لیا ہو۔

اس پس منظر میں چائے کی میز پر ہم دونوں کی بات شروع ہوئی۔ میں نے ڈاکٹر شولیکل سے کہا: آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا قرآن خدا کی کتاب ہے۔ ڈاکٹر شولیکل سمیت تمام پادری اگرچہ کانفرنس ہال میں قرآن کے کتابِ الٰہی ہونے کی تردید کر چکے تھے۔ مگر مذکورہ تقابلی قرأت کے زیرِ اثر ان کی زبان سے نکلا ہاں۔ لیکن جلد ہی بعد انھیں محسوس ہوا کہ انھوں نے اپنے عقیدہ کے خلاف ایک بات کہہ دی۔ چنانچہ اگلے لمحہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے کہا: مگر وہ صرف قدیم عربوں کے لیے تھا نہ کہ تمام انسانوں کے لیے۔

اندھیرے میں اجالا

سید امیر علی (۱۸۴۹-۱۹۲۸) کی مشہور انگریزی کتاب ہے جس کا نام روح اسلام (The Spirit of Islam) ہے۔ اس کتاب کے نویں باب میں انھوں نے ایک جرمن مستشرق کا اقتباس ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

It was the Koran—"a book by the aid of which the Arabs conquered a world greater than that of Alexander the Great, greater than that of Rome, and in as many tens of years as the latter had wanted hundreds to accomplish her conquests; by the aid of which they alone of all the Shemites came to Europe as kings, whither the Phoenicians had come as tradesmen, and the Jews as fugitives or captives; came to Europe to hold up, together with these fugitives, the light to humanity;—they alone, while darkness lay around, to raise up the wisdom and knowledge of Hellas from the dead, to teach philosophy, medicine, astronomy, and the golden art of song to the West as to the East, to stand at the cradle of modern science, and to cause us late epigoni for ever to weep over the day when Granada fell" (p.394).

قرآن ہی وہ کتاب ہے جس کی مدد سے عربوں نے ایک ایسی دنیا کو فتح کیا جو سکندر اعظم سے بھی زیادہ بڑی تھی، جو روم کی سلطنت سے بھی زیادہ وسیع تھی۔ اور وہ بھی چند دہے میں جس کو پورا کرنے میں موخر الذکر کو کئی سو سال لگ گیے۔ قرآن ہی کی مدد سے ایسا ہوا کہ تمام سامی اقوام میں وہ تنہا لوگ تھے جو یورپ میں حکمراں کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ جہاں فینیقی تاجر کی حیثیت سے آئے تھے، اور یہودی پناہ گیر یا قیدی کی حیثیت سے۔ وہ یورپ آئے تاکہ ان پناہ گیروں کے ساتھ انسانیت کو روشنی دکھائیں۔ جب کہ چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ انھوں نے یونان کے علم و حکمت کو دوبارہ زندہ کیا۔ انھوں نے مغرب کو فلسفہ، طب، فلکیات، اور موسیقی کا زریں فن سکھایا جیسا کہ انھوں نے مشرق کو سکھایا تھا۔ وہ جدید سائنس کا گہوارہ بن کر کھڑے ہوئے۔ اور انھوں نے ہم بعد میں آنے والوں کو اس کا ماتم کرایا جب کہ غرناطہ ان کے قبضہ سے نکل گیا۔

پچھلے زمانہ کے مسلمانوں کے لیے قرآن ایک تسخیری طاقت ثابت ہوا تھا۔ آج کے مسلمانوں کے لیے قرآن کوئی تسخیری طاقت نہیں۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ آج کے مسلمانوں نے قرآن کی طاقت کو استعمال ہی نہیں کیا۔

دور اول میں قرآن نے اس طرح لوگوں کو متحرک کیا کہ وہ دنیا سے اندھیروں کو ختم کرنے والے اور ہر طرف اجالا پھیلانے والے بن گئے۔ ان سے لوگوں کو رہنمائی ملی، جب کہ اس سے پہلے لوگ گمراہی میں بھٹک رہے تھے۔

ایسا کیوں کر ہوا۔ وہ اس طرح ہوا کہ انھوں نے قرآن کو پڑھ کر اس میں عظیم ترین سچائی کو پایا۔ قرآن ان کے لیے حقیقتِ اعلیٰ کی دریافت کا ذریعہ بن گیا۔ قرآن نے ان کے ذہن کے بند دروازوں کو کھول دیا۔ قرآن نے ان کے سینہ میں حوصلے کے چشمے جاری کر دیے۔ قرآن نے ان کی سوچ کی سطح کو بلند کیا اور اسی کے ساتھ ان کے کردار و عمل کے معیار کو بھی اونچا کر دیا۔

انسان کو سب سے زیادہ جو چیز متحرک کرتی ہے وہ یہ کہ وہ اپنی زندگی کے لیے کوئی اعلیٰ مقصد پا لے۔ قرآن نے دور اول کے اہل ایمان کو یہی اعلیٰ مقصدِ حیات دیا۔ یہ مقصد اتنا بلند تھا کہ اس کی حد کہیں ختم نہیں ہوتی۔ اس لیے ان کی ذات سے ایسے اعمال ظاہر ہوئے جو کسی حد پر رکنا نہیں جانتے تھے۔

قرآن نے ان کے شک کو یقین میں بدلا۔ قرآن نے ان کو ذاتی مفاد کے دائرہ سے اٹھا کر آفاقی مفاد کے دائرہ میں پہنچا دیا۔ قرآن نے ان کے ذہن کو جگا کر اس کے اندر سوچ کی بے پناہ طاقت بھر دی۔ قرآن نے انھیں ہر عُسر میں یُسر کو دیکھنے والی نگاہ عطا کر دی۔

جو لوگ اس طرح کی خصوصیات کے حامل بن جائیں وہ پہاڑ سے زیادہ طاقت ور اور سمندر سے زیادہ گہرے ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ، ایک مستشرق کے الفاظ میں، ان میں سے ایک ایک شخص ہیرو بن گیا۔ حتیٰ کہ نزول قرآن کی سرزمین کا یہ حال ہوا گویا کہ وہ ہیروؤں کی نرسری بن گئی ہو۔

انسان کے اندر فطری طور پر غیر معمولی صلاحیتیں رکھی گئی ہیں۔ یہ صلاحیتیں ابتدائی طور پر سوئی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان کو جگانے کے لیے کسی طاقت ور فکری بھونچال کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن آدمی کے اندر یہی فکری بھونچال پیدا کرتا ہے۔ قرآن آدمی کی فطری طاقتوں کو جگا کر اسے بے پناہ بنا دیتا ہے۔ قرآن آدمی کے اندر انقلاب پیدا کر کے اس کو ایک نیا انسان بنا دیتا ہے۔ وہ انسان سے اوپر اٹھ کر سپر انسان بن جاتا ہے۔

قرآن نے فتح کیا

سر آرتھر کیتھ (Arthur Keith) ایک انگریز محقق ہے۔ وہ ۱۸۶۶ میں پیدا ہوا، اور ۱۹۵۵ میں اس کی وفات ہوئی۔ اس نے انسانی ارتقار کے موضوع پر خصوصی ریسرچ کی ہے۔ ۱۹۴۸ میں اس کی ایک کتاب شائع ہوئی۔ اس کا نام تھا ــــــ انسانی ارتقار کے بارہ میں ایک نیا نظریہ :

A New Theory of Human Evolution

آرتھر کیتھ نے اپنی اس کتاب میں مصر کی قدیم تاریخ کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے لکھا ہے کہ اسلامی دور میں مصریوں کو مسلمانوں کی تلوار نے فتح نہیں کیا، بلکہ اس کو مسلمانوں کے قرآن نے فتح کیا :

The Egyptians were conquered not by the sword,
but by the Koran. (p.303, ed.1950)

مصر کی تاریخ دنیا کی قدیم ترین تاریخوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہاں لمبی لمبی مدت تک یونانیوں، ایرانیوں اور رومیوں کا غلبہ رہا ہے۔ اسلام سے پہلے یہاں مسلسل چار سو سال تک مسیحی شہنشاہ کی حکومت قائم تھی۔ مگر ان حکومتوں کے لمبے غلبہ کے باوجود مصر کے مذہب اور تہذیب میں کوئی بنیادی تبدیلی نہ آسکی۔ ان میں سے ہر ایک کا غلبہ زیادہ تر سیاسی غلبہ تھا جو سیاسی اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ ختم ہوگیا۔

لیکن ساتویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کا مصر میں داخلہ سراسر دوسری نوعیت کا تھا، اس نے مصریوں کی ہر چیز کو بدل دیا۔ اس سے پہلے مصریوں کی زبان قبطی تھی، اب ان کی زبان عربی ہوگئی۔ اس سے پہلے ان میں مشرکانہ تہذیب کا رواج تھا، اب ان میں موحدانہ تہذیب کا رواج ہوگیا۔ اس سے پہلے بت پرستی ان کا مذہب بنا ہوا تھا۔ اب دینِ اسلام ان کا مذہب بن گیا۔ اسلام نے مصریوں کے پورے فکری، اعتقادی، دینی اور تہذیبی ڈھانچہ کو بدل کر کچھ سے کچھ کر دیا۔

اتنی گہری اور اتنی دور رس تبدیلی کبھی تلوار کے ذریعہ نہیں ہو سکتی، اور نہ کبھی ایسی تبدیلی تلوار کے ذریعہ ہوئی۔ یہ تبدیلی دراصل قرآن کے نتیجہ میں تھی۔ مصریوں نے جب عربی سیکھنے کے بعد قرآن کو پڑھا تو اس نے ان کو شدت کے ساتھ متاثر کیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے تمام رواجوں کو چھوڑ کر قرآنی مذہب کے پیرو بن گئے۔

قرآن سے پہلے مصر کے لوگ انسانوں کو غریب اور امیر، چھوٹے اور بڑے، رعایا اور بادشاہ کے خانوں میں بانٹے ہوئے تھے۔ عام آدمی خاص لوگوں کے مقابلہ میں اپنے کو حقیر سمجھتا تھا۔ خاص لوگ عام لوگوں کے مقابلہ میں اپنے کو اونچا فرض کیے ہوئے تھے۔ اس طرح ایک انسان اور دوسرے انسان میں طرح طرح کے فرق و امتیاز قائم ہو گئے تھے۔

قرآن نے انسانی برابری کا اعلان کیا تو مصریوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ ان کو معلوم ہوا کہ وہ مفروضوں میں اور مصنوعی خیالات میں جی رہے تھے۔ انھیں محسوس ہوا کہ وہ اب تک اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے اور اب خدا کی کتاب انھیں روشنی کا تعارف کرا رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔

قرآن سے پہلے مصر کے لوگ خدا کے بارہ میں توہم پرستانہ عقیدوں میں مبتلا تھے۔ مثلاً وہ دریائے نیل کو ایک خدائی مظہر سمجھتے تھے اور ہر سال اپنی ایک لڑکی کو عمدہ کپڑے پہنا کر اس کی موجوں میں بھینٹ کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ نیل دیوی اس طرح ان سے خوش رہے گی اور ان کے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرنے کے لیے اپنا پانی بھیجتی رہے گی۔

قرآن نے خالص توحید کا اعلان کیا۔ قرآن نے بتایا کہ خدا ایک ہے۔ ساری کائنات اور تمام دریا اور پہاڑ اسی کی مخلوق ہیں۔ سارا اختیار صرف ایک خدا کو حاصل ہے۔ آدمی کو اسی سے ڈرنا چاہیے اور اسی سے اپنی حاجتوں کو مانگنا چاہیے۔

قرآن کی یہ بات مصریوں کے دل کی بات بن گئی۔ ان کی فطرت ایک خالق کا تقاضا کر رہی تھی، مگر توہماتی خداؤں میں ان کی روح کو سچی تسکین نہیں ملتی تھی۔ یہ عقیدے انھیں اپنی فطرت کے مطابق نظر نہیں آتے تھے۔ وہ رواجی طور پر ان کو پوجتے تھے مگر ان کا دل ان کی صداقت پر پوری طرح مطمئن نہیں ہوتا تھا۔

قرآن نے جب خدا کا بے آمیز تصور پیش کیا تو وہ انھیں اپنے دل کی آواز معلوم ہوا۔ وہ اس میں اپنی روح کی تسکین پانے لگے۔ انھیں محسوس ہوا کہ یہی وہ حقیقت ہے جس کی تلاش ان کی فطرت میں چھپی ہوئی تھی۔ انھوں نے دوڑ کر قرآن کے دین کو اختیار کر لیا۔ یہی معاملہ ساری دنیا میں پیش آتا رہا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد ایک بلین تک پہنچ گئی۔

حق کی یافت

بیکی ہاپکنس ایک امریکی خاتون ہیں، وہ عیسائی خاندان میں پیدا ہوئیں۔ اس کے بعد انھوں نے قرآن کا مطالعہ کیا اور اتنا متاثر ہوئیں کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کا ایک مفصل خط ایک امریکی میگزین میں چھپا ہے۔ اس کا کچھ حصہ ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں :

جن سوالوں کا جواب میں اپنی پوری زندگی میں تلاش کرتی رہی ہوں، ان کا جواب پانا میرے لیے کتنا زیادہ تسکین کا باعث ہے اس کو لفظوں میں بیان کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی اندھا ہو اور پھر اچانک وہ سچائی کو دیکھنے لگے اور ایسی روشنی کو پالے جس کو اس نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو۔ میں اس خوشی کو کیوں کر بیان کر سکتی ہوں جو صرف سچائی کو پانے سے حاصل ہوتی ہے۔

میں چاہتی ہوں کہ میں نے جو چیز پائی ہے اس کو میں ساری دنیا کے سامنے گاؤں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہر شخص جس کو میں نے کبھی جانا ہو وہ اس میں میرا حصہ دار بنے۔ اور جو دروازہ میرے لیے کھلا ہے اس پر جشن منانے میں وہ میرا شریک ہو۔

اور سب سے زیادہ بڑی اور سب سے زیادہ عجیب چیز جو مجھے دکھائی گئی وہ قرآن تھا۔

How can I put into words the overwhelming relief that I feel upon having discovered the answer to the questions I've been searching for all my life? It's like being blind and then suddenly given sight to a truth and a brightness never seen before. How can I tell of the joys that only finding the truth can bring? I want to sing it to the world. I want everyone I have ever known to share this with me and celebrate the door that has been opened to me. And the most wonderful and awesome thing shown to me was the glorious Qur'an. How I love and cherish my Qur'an! How I read it every chance I get! I cannot put it down! Even in English the words can bring joy to my heart and tears to my eyes! There've been many times when I held Allah's words in my hands and wept at the revelation. How could I have been such a fool all of my life? I shudder to think of my life without Islam. If I could climb to the highest mountain and be heard by everyone who is blind to Islam, I would shout all that has been shown to me. My questions have been answered. I now know the truth. If every person in the world thanked Allah for bringing me the truth, one hundred times a day for one hundred years, that still would not express my gratitude. (Becky Hopkins)

Islamic Horizons, December 1987, Bridgeview, Illinios, USA

کتنا زیادہ میں اپنے قرآن سے محبت کرتی ہوں۔ جب بھی مجھے موقع ملتا ہے تو میں اس کو پڑھتی ہوں۔ میں اس کو اپنے سے الگ نہیں رکھ سکتی۔ حتی کہ انگریزی ترجمہ میں بھی اس کے الفاظ میرے دل کو مسرت دیتے ہیں اور میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔

کتنی ہی بار ایسا لمحہ آیا ہے جب کہ میں نے خدا کی کتاب کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور اس کے بارہ میں سوچ کر میں روئی ہوں۔ اس کے بغیر میری ساری زندگی کتنی احمقانہ زندگی ہوتی۔ اسلام کے بغیر میری زندگی کیسی ہوتی، اس کو سوچ کر میں کانپ اٹھتی ہوں۔

اگر میں سب سے زیادہ اونچے پہاڑ پر چڑھ سکتی اور میری آواز ہر اس آدمی تک پہنچ سکتی جو اسلام سے بے خبر ہے تو میں چلا کر ان کو وہ بتاتی جو مجھے بتایا گیا ہے۔ میرے سوالات کا جواب مجھے مل گیا۔ اب میں جانتی ہوں کہ سچائی کیا ہے۔ ہر آدمی جو دنیا میں ہے، وہ مجھ کو سچائی ملنے پر اگر اللہ کا شکر ادا کرے، اور وہ ایک سو سال تک ہر روز ایک سو بار ایسا ہی کرتا رہے تب بھی اس احسان پر شکر کا حق ادا نہیں ہوگا (بیکی ہاپکنس)

مذکورہ امریکی خاتون کے لیے قرآن اتنی حیرت انگیز دریافت کیوں بن گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن انسان کی تلاش کا جواب ہے۔ اس خاتون نے، بہت سے دوسرے مردوں اور عورتوں کی طرح، اس میں اپنی تلاش فطرت کا جواب پالیا۔ اور اپنی تلاش کا جواب پانے سے زیادہ بڑی خوشی انسان کے لیے اور کوئی نہیں۔

قرآن روح انسانی کا ثمنی ہے۔ انسان عین اپنی پیدائش کے اعتبار سے سچائی کا طالب ہے۔ اسی فطری اور عالم گیر سچائی کو بتانے کے لیے تمام پیغمبر آئے، تمام پیغمبروں نے ایک ہی سچائی کا اعلان کیا۔ مگر پچھلے پیغمبروں کی بتائی ہوئی تعلیمات اپنی اصل حالت میں محفوظ نہ رہ سکیں۔

مگر آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی کتاب (قرآن) آج بھی اپنی اصل اور ابتدائی حالت میں کامل طور پر محفوظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ دوسری مقدس کتابوں نے تبدیلیوں کے نتیجہ میں انسانی فطرت کے ساتھ اپنی مطابقت کھو دی ہے، جب کہ قرآن اپنی اس مطابقت کو پوری طرح باقی رکھے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن آج تمام انسانوں کے لیے سچائی کا واحد ماخذ بن گیا ہے۔

معجزاتی کلام

محمد مارماڈیوک پکتھال (۱۹۳۶-۱۸۷۵) ایک انگریز نومسلم تھے۔ انھوں نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کیا ہے جو کافی مشہور ہے۔ انھوں نے اپنے ترجمہ قرآن کے ساتھ ایک دیباچہ لکھا ہے۔ اس دیباچہ میں وہ قرآن کے ترجمہ کے مسائل کا ذکر کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں انھوں نے لکھا ہے کہ اس ترجمہ میں متن کے مطابق موزوں زبان اختیار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ مگر اس کا نتیجہ یہ نہیں ہے کہ عربی قرآن کی جگہ انگریزی قرآن تیار ہو گیا ہو۔ عربی قرآن ایک ناقابلِ تقلید نغمگی کا مجموعہ ہے۔ اس کی مجرد آواز ہی آدمی کے اندر ارتعاش پیدا کر کے اس کو رلا دیتی ہے۔ اور اس پر وجد کی کیفیت طاری کر دیتی ہے :

Every effort has been made to choose befitting language. But the result is not the Glorious Qur'an, that inimitable symphony, the very sounds of which move men to tears and ecstasy.

وہ چیز جس کو فنی اصطلاح میں ساؤنڈ آرٹ کہا جاتا ہے، وہ قرآن کی زبان میں بدرجۂ کمال پایا جاتا ہے۔ ایک قاری جب قرآن کو پڑھتا ہے تو اس کا صوتی آہنگ اتنا شاندار ہوتا ہے کہ نہ سمجھنے والے لوگ بھی اس سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔

ساؤنڈ آرٹ یا صوتی آہنگ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ذوقی چیز ہے۔ اس کے بعض ظاہری پہلوؤں کو اشاراتی طور پر بیان کیا جا سکتا ہے مگر اس کی مکمل لفظی تشریح ممکن نہیں۔ یہاں اس کی وضاحت کے لیے ایک سادہ مثال درج کی جاتی ہے۔ قرآن کی ایک آیت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں : وکأین من نبي قاتَلَ مَعَہ رِبّیون کثیر (آل عمران ۱۴۶)

اس آیت میں رِبّیون کی جگہ رَبّانیون بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ دونوں کے معنی بالکل ایک ہیں۔ لیکن اگر اس آیت میں موجودہ لفظ بدل کر رَبّانیون رکھ دیا جائے تو آیت کا سارا صوتی آہنگ بگڑ جائے گا۔ یہی ہم آہنگ نغمگی پورے قرآن میں اپنے کمال درجہ میں پائی جاتی ہے۔

قرآن ایک معجزہ ہے اپنے معنی کے لحاظ سے بھی اور اپنے الفاظ کے لحاظ سے بھی۔ ایک شخص عربی زبان جانتا ہو اور وہ قرآن میں غور وفکر کرے تو وہ اس کے اندر معانی کے اعتبار سے خدائی عظمت کا ادراک کرے گا۔ لیکن اگر ایک شخص اس کے معانی پر دھیان نہ دے، وہ صرف اس کی آواز سنے تب بھی وہ اس سے غیر معمولی نوعیت کا گہرا تاثر لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

تاریخ میں دونوں قسم کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ پہلی نوعیت کی بھی اور دوسری نوعیت کی بھی۔ فرانس کے پروفیسر مارلیس بکائی (Maurice Bucaille) قرآن کی معنوی عظمت سے متاثر ہوئے اور انھوں نے قرآن کے گہرے مطالعہ کے بعد وہ کتاب لکھی جو حسب ذیل نام سے عمومی شہرت حاصل کر چکی ہے:

The Bible, The Qur'an and Science

انگلستان کے پروفیسر آربری (Arthur J Arberry) ایک بار تیونس میں مقیم ہوئے۔ ان کے پڑوس میں ایک مسلمان کا مکان تھا۔ ایک روز مسلمان ریڈیو پر قرآن کی قرأت سن رہا تھا۔ یہ آواز پروفیسر آربری کے کان میں پہونچی۔ وہ اس سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے۔ اس کے بعد انھوں نے قرآن کا مطالعہ شروع کیا، ان کی دلچسپی یہاں تک بڑھی کہ انھوں نے قرآن کا مکمل ترجمہ انگریزی زبان میں کر ڈالا۔ یہ ترجمہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے حسب ذیل نام کے تحت شائع ہوا ہے:

The Koran Interpreted

قرآن کی یہ معجزاتی تاثیر ہر دور میں ظاہر ہوتی رہی ہے۔ دور اول میں مکہ اور مدینہ اور باہر کے قبائل میں جو لوگ اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے وہ سب قرآن کو سن کر اور پڑھ کر اسلام میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد پوری تاریخ میں قرآن اسلام کا سب سے زیادہ طاقت ور ہتھیار ثابت ہوا ہے۔ ہر زمانہ میں قرآن کا غیر معمولی اسلوب اور اس کا آسمانی خطاب افراد اور قوموں کو مفتوح کرتا رہا ہے۔

قرآن ایک ایسا کلام ہے جو اپنے اندر بے پناہ تسخیری قوت رکھتا ہے۔ اپنی خاموش معنویت کے اعتبار سے بھی، اور اپنی غیر معمولی ربانی آواز کے اعتبار سے بھی۔

قرآن اور عربی زبان

رومن امپائر کے زمانہ میں امپائر کی عام زبان لاتینی تھی۔ تاہم مختلف علاقوں میں لہجوں کا فرق تھا۔ زبان ایک تھی مگر لہجہ کے اعتبار سے وہ الگ الگ انداز میں بولی جاتی تھی۔ چوں کہ لہجہ کے اس فرق کو کسی ایک وحدت میں باندھے رکھنے کا ان کے پاس کوئی طاقتور ادبی معیار موجود نہ تھا، یہ فرق بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ لہجوں کا فرق بالآخر زبانوں کا فرق بن گیا اور وہ مختلف زبانیں وجود میں آئیں جن کو اب رومی زبانیں (Romance languages) کہا جاتا ہے۔

یہی مختلف زبانیں ہیں جن کو موجودہ زمانہ میں فرانسیسی، اسپینی، اطالوی، پرتگالی، رومانی زبانیں کہا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ یورپ کی بہت سی چھوٹی چھوٹی زبانیں مثلاً سارڈی نین وغیرہ (Occitan, Catalan, Sardinian, Rhaetian, Creoles) بھی اسی قدیم اصل کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں۔ اس طرح ایک زبان کچھ صدیوں کے بعد ایک درجن زبان بن گئی۔

ایک زبان سے کئی زبان بننے کا یہی واقعہ عربی زبان کے ساتھ بھی پیش آسکتا تھا۔ قدیم زمانہ میں مختلف عرب قبائل کے لہجوں میں زبردست فرق پایا جاتا تھا۔ آج بھی لہجوں کا یہ فرق مختلف عرب علاقوں میں بدستور موجود ہے۔ ایک لہجہ کا آدمی دوسرے لہجہ کے آدمی کی بات کو بمشکل سمجھ سکتا ہے۔

اس واضح فرق کے باوجود تمام عرب علاقوں کی تحریری زبان ایک رہی۔ وہ کئی زبان نہ بن سکی۔ عربی زبان کی وحدت براہ راست قرآن کا کرشمہ ہے۔ یہ تمام تر قرآن کا تاثیری کارنامہ ہے کہ اس نے عربی زبان کو ایک تحریری صورت پر باقی رکھا، اس نے عربی کو باعتبار تحریر، کئی زبان بننے نہیں دیا۔ بولنے کے وقت آدمی اپنے قبیلے کے لہجہ کی پیروی کرتا تھا، مگر لکھنے کے وقت وہ قرآن کی پیروی کرنے پر مجبور تھا۔ اس طرح قرآن کا طاقت ور ادبی معیار ان کے لہجاتی فرق پر اس طرح چھایا رہا کہ اس نے ان کو الگ الگ ہونے سے روک دیا۔

قرآن سے پہلے عرب میں زیادہ تر صرف شاعری کا رواج تھا۔ لوگ اشعار کی صورت میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ اہل عرب کے نزدیک، قرآن سب سے پہلا کلام ہے

جو نثر کی صورت میں سامنے آیا (ان القرآن اول ظاهرة نثرية فنية عند العرب ، جوزیف الہاشم، المفید فی الادب العربی)

پروفیسر ہٹی نے قرآن کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن کی ادبی تاثیر کا اندازہ اس وقت ہوجاتا ہے جب یہ دیکھا جائے کہ یہ صرف قرآن ہی تھا جس کی وجہ سے ایسا ہوا کہ عربوں کی مختلف بولیاں الگ الگ زبان کی صورت اختیار نہ کر سکیں، جیسا کہ رومی زبانوں کے ساتھ پیش آیا۔ آج ایک عراقی اگرچہ ایک مراکشی کی گفتگو کو سمجھنے میں دشواری محسوس کرتا ہے، مگر وہ اس کی تحریری زبان کو سمجھنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتا۔ کیوں کہ عراق اور مراکش، اور اسی طرح شام، عرب، مصر، ہر جگہ کلاسیکی زبان کی حیثیت سے وہی عربی زبان رائج ہے جس کا ماڈل قرآن نے تیار کر دیا ہے۔ محمدؐ کے وقت عربی نثر کی کوئی باقاعدہ کتاب موجود نہ تھی۔ اس بنا پر قرآن سب سے قدیم نثری کتاب ہے اور یہی کتاب اول روز سے عربی نثر کا ماڈل بنی ہوئی ہے۔ اس کی زبان میں نغمہ ہے مگر وہ شعر نہیں۔ اس کی پُر نغمہ نثر نے ایک ایسا معیار قائم کر دیا ہے کہ تقریباً ہر قدامت پسند عرب ادیب آج تک اہتمام کے ساتھ اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, London 1970, p. 127

قرآن نے عربی زبان پر بیک وقت دو ایسے اثرات ڈالے ہیں جس کی مثال کسی بھی دوسری زبان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایک یہ کہ قرآن نے عربی کو نظم سے نثر کی طرف موڑ دیا۔ قرآن سے پہلے عربی دورِ شعر میں تھی، قرآن کے بعد وہ دورِ نثر میں داخل ہوگئی۔

دوسرا بے مثال اثر یہ ہے کہ قرآن نے عربی زبان کو ایک ایسا اعلیٰ اور آخری ماڈل دیدیا جو گویا عربی زبان کو پکڑ کر بیٹھ گیا۔ قرآن کی یہی خصوصی دین ہے جس کی وجہ سے عربی زبان آج بھی اپنی سابقہ صورت میں زندہ ہے، اس کے بغیر عربی کا وہی انجام ہوتا جو دوسری تمام زبانوں کے ساتھ بلا استثنار پیش آیا ہے۔ قرآن نے جب یہ اعلان کیا کہ وہ ابدی ہدایت نامہ ہے تو اس میں یہ چیز شامل تھی کہ اس کی زبان ہمیشہ ایک زندہ زبان کی حیثیت سے باقی رہے گی۔ اور تاریخ ثابت کرتی ہے کہ قرآن کا اعلان اپنے تمام تقاضوں کے ساتھ پورا ہو کر رہا۔

بادشاہ جھک گیا

ابن الاثیر نے اپنی کتاب الکامل فی التاریخ میں ۳۶۶ھ کے حالات کے تحت لکھا ہے کہ اس سال ذوالقعدہ کے مہینہ میں قاضی منذر بن سعید البلوطی کی وفات ہوئی۔ وہ اندلس کے قاضیوں کے قاضی (چیف جسٹس) تھے۔ وہ فقیہہ، خطیب، شاعر، فصیح اور نہایت دین دار تھے۔

ایک دن وہ اندلس کے سلطان عبدالرحمٰن الناصر کے یہاں آئے۔ اس وقت سلطان زہرا محل کی تعمیر سے فارغ ہوا تھا۔ اس وقت وہ ایک گنبد کے اندر بیٹھا تھا جس کو سونے سے سجایا گیا تھا۔ اس کی تعمیر ایسی نادر تھی کہ سابق میں اس کی کوئی مثال موجود نہ تھی۔

سلطان کے پاس بڑے بڑے لوگ جمع تھے۔ عبدالرحمٰن الناصر نے کہا۔ کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ کبھی کسی نے اس طرح کی عمارت بنائی ہے۔ تمام لوگوں نے کہا کہ ہم نے نہ کبھی ایسا دیکھا اور نہ ایسا سنا۔ انھوں نے تعریف کی اور تعریف میں مبالغہ کیا۔

قاضی منذر سر جھکائے ہوئے تھے۔ عبدالرحمٰن ان کی طرف مخاطب ہوا اور ان سے پوچھا کہ آپ اپنی رائے بتائیں۔ قاضی منذر رونے لگے۔ ان کے آنسو ان کی داڑھی تک پہنچ گئے۔ انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم، مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ شیطان، خدا اس کو رسوا کرے، تم کو اس حد تک پہنچا دے گا۔ اور تمہارے اوپر اتنا زیادہ قابو پالے گا حالانکہ اللہ نے تم کو بہت کچھ دیا ہے اور تمہارے اوپر فضل کیا ہے۔ اس کے باوجود شیطان تم کو کافروں کے درجہ میں پہنچا دے گا۔

عبدالرحمٰن الناصر نے کہا کہ دیکھئے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیسے شیطان نے مجھ کو کافروں کے درجہ میں پہنچا دیا۔ قاضی منذر نے اس کے جواب میں قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں :

ولولا ان یکون الناس امة واحدة لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتھم سقفا من فضة ومعارج علیھا یظھرون۔ ولبیوتھم ابوابا

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقہ کے ہو جائیں گے تو جو لوگ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور زینے بھی جن

وسرراً علیها یتکئون۔ وزخرفا وان کل ذلک لما متاع الحیاۃ الدنیا والآخرۃ عند ربک للمتقین (الزخرف ۳۴ - ۳۵)

پر وہ چڑھتے ہیں۔ اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کے بھی۔ اور یہ چیزیں تو صرف دنیا کی زندگی کا سامان ہیں اور آخرت تیرے رب کے پاس متقیوں کے لیے ہے۔

قاضی منذر بن سعید البلوطی کی حیثیت حکومت کے ایک ملازم کی تھی۔ اور عبدالرحمٰن الناصر کی حیثیت اندلس کے سلطان کی۔ مگر جب قاضی منذر نے قرآن کی مذکورہ آیتیں پڑھیں تو اس کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا :

فوجم عبدالرحمٰن وبکی وقال : جزاك الله خيراً واكثر في المسلمين مثلك (۶۷۴/۸)

اس کے بعد عبدالرحمٰن غم میں پڑ گیا اور اپنا سر جھکا کر رونے لگا۔ اس نے کہا کہ اللہ آپ کو اس کا اجر دے اور آپ جیسے بہت سے لوگ مسلمانوں میں پیدا کرے۔

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صورت میں کیسی عظیم چیز اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے۔ قرآن براہ راست اللہ کا کلام ہے۔ وہ کسی بھی قسم کی آمیزش کے بغیر مکمل طور پر اصل حالت میں موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ اس کی پشت پر تاریخ کی وہ تمام عظمتیں جمع ہو چکی ہیں جو کتاب خداوندی کے شایانِ شان ہیں۔ ان چیزوں نے قرآن کو عظمت و جبروت والی ایک کتاب بنا دیا ہے جس طرح قرآن کو اتارنے والا خدا عظمت و جبروت والا خدا ہے۔

قرآن کی اس عظمت کا یہ نتیجہ ہے کہ جب اس کا حوالہ دیا جائے تو بادشاہ بھی اس کا انکار کرنے کی ہمت نہ کر سکیں۔ قرآن کی بنیاد پر ایک کمزور آدمی ایک طاقت ور کو ایسی اعلیٰ سطح سے مخاطب کر سکتا ہے کہ بڑا آدمی اپنی بڑائی کو بھول جائے اور اس کے آگے ایک عاجز کی طرح ڈھ پڑے۔

قرآن بذاتِ خود ایک طاقت ہے، خواہ اس کے ساتھ کوئی اور طاقت موجود نہ ہو۔

قرآن کا کرشمہ

اسلام سے پہلے عرب میں تعلیم بہت کم تھی۔ ۸ ھ میں جو اتنا (بحرین، الحسار) جیسے بڑے مقام پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک تبلیغی خط بھیجا۔ راوی کہتے ہیں کہ سارے علاقے اور قبیلہ میں ایک شخص بھی نہ تھا جو خط کو پڑھ سکے۔ لوگ تلاش کرتے رہے یہاں تک کہ ایک نوجوان ملا جس نے خط کو پڑھ کر سنایا۔ تقریباً اسی زمانہ کا واقعہ ہے، النمر بن تولب مسلمان ہوئے۔ وہ ایک بڑے قبیلہ کے سردار تھے اور اتنے بڑے شاعر تھے کہ ان کے اشعار کا ایک دیوان تیار ہوا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کے قبیلہ عکل (یمن) کا سردار مقرر کرکے ایک تحریری پروانہ عطا کیا۔ مگر وہ اس کو پڑھ نہیں سکتے تھے۔ بازار میں آکر پوچھنے لگے "کیا آپ لوگوں میں کسی کو پڑھنا آتا ہے جو یہ خط پڑھ مجھ کو سنا دے"

کہا جاتا ہے کہ بعثتِ نبوی کے وقت شہر مکہ میں مشکل سے چند درجن آدمی ایسے مل سکتے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں۔ مدینہ میں اس سے بھی کم عرب یہ فن جانتے تھے۔ لیکن دوسری صدی ہجری ہی میں عربی زبان علمی نقطۂ نظر سے دنیا کی متمول ترین زبان بن گئی۔ عربوں میں لسانی ترقی کا زمانہ اتنا مختصر ہے کہ دنیا کی پرانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

عربوں کی تیز رفتار علمی اور لسانی ترقی کا یہ واقعہ کیوں کر پیش آیا۔ یہ حیرت انگیز واقعہ براہ راست قرآن کا کرشمہ تھا۔ قرآن ایک کتاب دعوت ہے۔ جو شخص قرآن سے متاثر ہوتا ہے اور اس پر ایمان لاکر اسے پڑھتا ہے، اس کو فوراً محسوس ہوتا ہے کہ قرآن نے اس کو داعی بنا دیا ہے۔ اس کا دل ودماغ داعی کا دل ودماغ بن جاتا ہے۔ اس کے اندر یہ سیلاب امڈ پڑتا ہے کہ اس نے جس ابدی صداقت کو خدا کی کتاب کے ذریعہ پایا ہے، اس کو وہ تمام انسانوں تک پہنچا دے۔

یہ دعوتی جذبہ اس کو مجبور کرتا ہے کہ زبانوں کو سیکھے۔ وہ ہر طرح کی واقفیت حاصل کرے۔ وہ اپنے آپ کو علمی اعتبار سے مسلح کرے۔ پہلے اگر وہ بے زبان تھا تو اب وہ بازبان بن جاتا ہے۔ پہلے اگر وہ بے علم تھا تو اب وہ باعلم ہوجاتا ہے۔ دعوت اپنی عین فطرت کے اعتبار سے آدمی کو صاحبِ علم اور صاحبِ شعور بنا دیتی ہے۔ دعوت کے ساتھ بے علمی اور بے شعوری کا جمع ہونا ممکن نہیں۔

قرآن آدمی کو صرف داعی بننے کی نصیحت نہیں کرتا۔ وہ قرآن کی صورت میں آدمی کو ایسا دعوتی ہتھیار دیتا ہے جس کی تسخیری طاقت کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

مسٹر سنیل گوپال چندرا سامنتا ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو ہیں۔ وہ ایک تجارتی سفر کے تحت احمدآباد سے دہلی آئے اور ۱۲ جون ۱۹۹۱ کو راقم الحروف سے ملے:

Sunil Gopal Samanta, M.B.A., LL.M.
64, Arihant Society, Ahmedabad 300007, Tel. 414281

انھوں نے کہا کہ میں نے قرآن کو ہندی ترجمہ کی مدد سے پڑھا ہے۔ اس کتاب نے میرے اوپر بہت اثر ڈالا۔ اس کو پڑھتے ہوئے دل ہل جاتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان سے قرآن اور اسلام کے بعض پہلوؤں پر گفتگو ہوئی۔ آخر میں انھیں ہندی الرسالہ اور "انسان اپنے آپ کو پہچان" کا ہندی ترجمہ دیا گیا۔

ایک عام مسلمان جو قرآن کو صرف "تلاوت" کی کتاب سمجھتا ہے، اس کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ قرآن کتنی زلزلہ خیز کتاب ہے، اور جو شخص اس کو سمجھ کر پڑھتا ہے، اس کو یہ کتاب کس طرح ہلا دیتی ہے۔ مشرق اور مغرب میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے، میں ان کے حالات خاص طور پر پڑھتا ہوں۔ میں نے پایا ہے کہ ان میں سے اکثر کے لیے قرآن کا مطالعہ اسلام کی طرف لانے کا سبب بنا۔

شاہ عبدالقادر صاحب (۱۸۱۴-۱۷۵۴) نے اپنے ترجمہ "موضح القرآن" کے مقدمہ میں اس بارہ میں اپنے مخصوص سادہ انداز میں جو کچھ لکھا ہے وہ یہاں نقل کرنے کے قابل ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "بتلانے والے بہتیرا بتائیں، جیسا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آپ بتایا ہے، ویسا کوئی نہیں بتا سکتا۔ اور جیسا اثر اور راہ پانا خدا کے کلام میں ہے، کسی کلام میں نہیں۔"

مسلمانوں کے اوپر فرض ہے کہ وہ قرآن کے پیغام کو تمام دنیا کی قوموں تک پہونچائیں۔ اس پیغام رسانی کی موثر ترین عملی صورت یہ ہے کہ قرآن کا صحیح اور مستند ترجمہ تمام زبانوں میں کیا جائے اور اس کو چھاپ کر ساری دنیا میں پھیلایا جائے۔ خدا منتظر ہے کہ اس کا پیغام اس کے تمام بندوں تک پہونچایا جائے۔ جو لوگ اس کام کے لیے اٹھیں وہ بلا شبہ اپنے رب کے یہاں سب سے بڑے انعام کے مستحق قرار پائیں گے۔

ناقابلِ اعتبار

تورِن (Turin) اٹلی کا ایک قدیم شہر ہے۔ یہاں کے بڑے مسیحی چرچ (Cathedral) میں ۱۵۷۸ء سے ایک مقدس کپڑا رکھا ہوا ہے۔ یہ ایک پرانا کھدر کا کپڑا ہے۔ اس کے اوپر عکس کے انداز میں ایک انسانی خاکہ (image) نظر آتا ہے۔ اس کو عام طور پر تورن کا کفن (Shroud of Turin) کہا جاتا ہے۔ یعنی حضرت مسیح کا کفن۔

۱۹۰۲ میں بیالوجی کے دو مسیحی پروفیسر اس کی تحقیق کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ انھوں نے تحقیق کے بعد رپورٹ دی تھی کہ کفن کے اوپر جو تصویری خاکہ ہے وہ رنگا ہوا نہیں ہے بلکہ حقیقۃً وہ انسانی جسم کا نقش ہے اور یہ کہ یہ نقش حضرت مسیح کے جسم کا ہے:

After studying this evidence, two professors of biology presented to the Academie des Sciences in 1902 their conclusions: that the image on the shroud is not a painting, that it is actually the imprint of a human body, and that the image is that of Jesus Christ.
(IX/172)

موجودہ زمانہ میں سائنس دانوں نے اس کپڑے (مزعومہ کفن مسیح) کو تحقیق کا موضوع بنایا۔ کئی سالوں کی سائنسی ریسرچ کے بعد آخر کار ثابت ہوگیا کہ یہ فرضی کفن ہے نہ کہ حقیقی کفن۔ یہ کپڑا اگر حقیقی کفن ہوتا تو اس کی عمر دو ہزار سال ہونی چاہیے تھی۔ مگر کاربن ڈیٹنگ کے ذریعہ جانچ سے معلوم ہوا کہ اس کی عمر صرف چند سو سال ہے۔

روم کی ڈیٹ لائن کے ساتھ ٹائمس آف انڈیا کے شمارہ ۱۴ جنوری ۱۹۹۱ (صفحہ ۸) میں اس کی بابت ایک خبر شائع ہوئی ہے۔ یہ پوری خبر ذیل میں درج کی جاتی ہے:

Shroud of Turin Loses Credibility

The Holy Shroud of Turin, regarded by the Roman Catholic Church as having been used to cover the body of Christ after his death, is in danger of losing its historical credibility. The scientists have recently reached new conclusions on the age of the shroud which differs widely from that reached earlier in 1988. These new theories are explained in two books recently published in Italy, The Shroud and Enigma to Test Science by Orazio Petrosiloo and Emanuela Marinelli and Shroud or Not by Pier Lugi Baina Bollone.

تورن کا مقدس کفن جس کے متعلق رومن کیتھولک چرچ کا خیال تھا کہ یہ وہ کپڑا ہے جو حضرت مسیح کی موت کے بعد ان کے جسم کو ڈھانکنے کے لیے استعمال کیا گیا تھا، اس کو یہ خطرہ درپیش ہے کہ وہ اپنے حق میں تاریخی اعتباریت کھو دے۔ حال میں سائنس داں اس کفن کی عمر کے بارہ میں نئے نتائج تک پہنچے ہیں۔ یہ نتائج اس سے بہت زیادہ مختلف ہیں جہاں وہ ۱۹۸۸ میں پہنچے تھے۔ یہ نئے نظریات دو نئی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں جو حال میں اٹلی میں شائع ہوئی ہیں۔

پچھلے سیکڑوں سال سے مسیحی چرچ کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ وہ کپڑا ہے جس میں مصلوب ہونے کے بعد حضرت مسیح کا جسم رکھا گیا تھا۔ آپ کے جسم کا عکس اس کپڑے میں آگیا۔ ۱۸۹۸ء میں اس کا پہلا فوٹو لیا گیا۔ اس فوٹو کو بغور دیکھا گیا تو لوگوں کو یہاں تک نظر آگیا کہ (نعوذ باللہ) صلیب دیتے ہوئے آپ کے جسم پر جو کیلیں ٹھونکی گئی تھیں، ان کا نشان بھی مفروضہ کفن میں موجود ہے۔

مگر بعد کی زیادہ معتبر سائنسی تحقیقات نے ثابت کیا کہ یہ سارا عقیدہ محض فرضی تھا۔ جس کپڑے کو حضرت مسیح کا کفن سمجھ لیا گیا تھا، وہ حضرت مسیح کا کفن نہ تھا۔ بلکہ حضرت مسیح کے رفع کے ہزار سال بعد کسی شخص نے ایک کپڑا لے کر اس کو خاص انداز میں رنگا اور یہ مشہور کر دیا کہ یہ حضرت مسیح کا کفن ہے۔

دوسرے مذاہب کے بہت سے عقائد اسی طرح موجودہ سائنسی تحقیقات کی روشنی میں غلط ثابت ہو گئے ہیں۔ مگر اسلام حیرت انگیز طور اس سے مستثنیٰ ہے۔ ہر قسم کی جانچ کے باوجود اسلام کی کوئی بات غیر معتبر ثابت نہ ہو سکی، یہ اس بات کا ایک علمی ثبوت ہے کہ اسلام ایک غیر محرف مذہب ہے، اور دوسرے تمام ادیان محرف مذہب۔

مثال کے طور پر قرآن میں حضرت موسیٰ کے زمانہ کے فرعون کا ذکر ہے اور اس کی سرکشی پر اس کی غرقابی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ آج ہم تمہارے بدن کو محفوظ کر دیں گے تاکہ وہ باقی رہے اور آئندہ آنے والوں کے لیے نصیحت بنے (یونس ۹۲) قرآن میں جب یہ آیت اتری، اس وقت یہ حقیقت سراسر غیر معلوم تھی۔ مگر انیسویں صدی کے آخر میں یہ دریافت ہوا کہ مصر کے اہرام کے اندر اس فرعون کی مومیائی کی ہوئی لاش موجود ہے۔ چنانچہ اس پر کاربن ڈیٹنگ کا عمل کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اسی فرعون کی لاش ہے جو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں غرق ہوا تھا۔

قرآن محافظ ہے

اللہ تعالیٰ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے :

یاایہا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته واللہ یعصمك من الناس (مائدہ ۶۷)

اے رسول، جو کچھ تمہارے اوپر اتارا گیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دو۔ اور اگر تم نے اس کو نہیں پہنچایا تو تم نے اپنی رسالت نہیں پہنچائی۔ اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے گا۔

اس آیت کے مطابق قرآن (اللہ کی اتاری ہوئی کتاب) حاملین قرآن کے بچاؤ کی ضمانت ہے۔ قرآن کے حامل کو صرف قرآن کا حامل بننا ہے۔ اس کے بعد اس کے تمام مسائل میں خدا اس کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔

قرآن بلاشبہ اس دنیا میں ہمارا محافظ ہے۔ وہ جن وانس کے تمام فتنوں کے مقابلہ میں ہماری حفاظت کرتا ہے۔ مگر قرآن کو اپنا محافظ بنانے کی ایک لازمی شرط ہے۔ وہ یہ کہ ہم قرآن کے ساتھ غیر قرآن کو جمع نہ کریں۔ پانی کے ساتھ اگر آپ راکھ کو جمع کر لیں تو ایسا پانی آپ کی پیاس نہیں بجھاتا۔ کھانے کے ساتھ اگر آپ پتھر کو جمع کر لیں تو ایسا کھانا آپ کو سیر نہیں کرتا۔ پھر جس قرآن کے ساتھ غیر قرآن کو جمع کر لیا گیا ہو وہ حقیقی قرآن کے نتائج کس طرح دکھائے گا۔

قرآن چاہتا ہے کہ ہم اس کو تبلیغ کی کتاب بنائیں۔ اس کے برعکس ہم اس کو برکت کی کتاب بنا کر چھوڑ دیں۔ قرآن چاہتا ہے کہ ہم دوسری اقوام کو اپنا مدعو سمجھیں، اس کے برعکس ہم ان کو اپنا حریف اور رقیب بنا ڈالیں۔ قرآن چاہتا ہے کہ ہم اس کو اپنی زندگی کے لئے رہنما کتاب بنائیں۔ اس کے برعکس ہم اس کو قومی فخر کی کتاب بنا ڈالیں۔ قرآن چاہتا ہے کہ ہم لوگوں کے درمیان خدائی اخلاقیات کے ساتھ رہیں۔ اس کے برعکس ہم ان کے درمیان شیطانی اخلاقیات کے ساتھ رہنے لگیں۔

اس قسم کا ہر عمل قرآن کے ساتھ گویا غیر قرآن کو جمع کرنا ہے۔ اور جو لوگ قرآن کے ساتھ غیر قرآن کو جمع کریں۔ قرآن کبھی ان کا محافظ نہیں بن سکتا۔ یہ اعمال تو قرآن کو چھوڑنے کے ہم معنی ہیں۔ پھر جو لوگ قرآن کو چھوڑ چکے ہوں ان کی زندگی میں قرآن کے وہ نتائج کیسے نکل سکتے ہیں جو قرآن کو اپنے ساتھ لینے کی صورت میں نکلتے ہیں۔

قرآن خاص طور پر دو طرح سے اہل ایمان کا محافظ بنتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اہل ایمان کے دلوں میں آخرت کا خوف پیدا کرتا ہے۔ ان کو ذمہ دار اور با اخلاق زندگی گزارنے کے قابل بناتا ہے۔ وہ ہر انسان کے خیر خواہ بن جاتے ہیں۔ وہ ہر انسان کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرتے ہیں۔ ضد اور تعصب اور نفرت اور سرکشی جیسے جذبات سے ان کا سینہ پاک ہو جاتا ہے۔ وہ لوگوں کو دینے والے بن جاتے ہیں تاکہ خدا انھیں دے۔ وہ لوگوں سے درگزر کرنے لگتے ہیں تاکہ آخرت میں ان کا خدا ان سے درگزر کا معاملہ فرمائے۔

یہ اوصاف جن افراد کے اندر پیدا ہو جائیں وہ اپنے سماج کے اندر محبوب بن جاتے ہیں۔ ہر ایک کے دل میں ایسے لوگوں کی عزت بیٹھ جاتی ہے۔ وہ لوگوں کو اپنے آپ سے بلند دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اور جو لوگ اخلاقی اعتبار سے دوسروں سے بلند ہو جائیں، وہ کبھی دوسروں کے ظلم کا شکار نہیں ہو سکتے۔

قرآن کی حفاظت کا دوسرا ذریعہ وہ ہے جس کو دعوت کہا جاتا ہے۔ اہل ایمان جب قرآن کو دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں تو دوسروں کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ قرآن تو ان کے لیے سراسر رحمت ہے۔ یہ تو ان کی اپنی چیز ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ بڑی تعداد میں قرآن پر ایمان لانے لگتے ہیں۔ لوگ جوق در جوق قرآن کے دین کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اور جب ایسا ہوتا ہے تو سماجی طاقت کا وزن اپنے آپ اہل ایمان کے حق میں چلا جاتا ہے۔ دین حق کا پھیلاؤ اہل ایمان کے لیے حفاظت کی مضبوط ڈھال بن جاتا ہے۔

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا یہ انتظام فرمایا کہ اس نے تاریخ انسانی میں ایک عظیم انقلاب پیدا فرما دیا۔ یہ انقلاب دور اول کے مسلمانوں کے ہاتھوں ظہور میں آیا۔ اس کے نتیجہ میں وہ تمام اسباب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے جو قدیم زمانہ میں کسی آسمانی کتاب کو غیر محفوظ بنا دیتے تھے۔

اب خود عالمی حالات قرآن کی حفاظت کے ضامن بن گئے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں مذہبی آزادی کا مسلّم ہو جانا۔ علمی اور تاریخی ذوق کا رواج۔ جدید پریس کا ظہور۔ سائنسی اور صنعتی انقلاب کے نتیجہ میں توہماتی ذہن کا خاتمہ۔ اس قسم کے مختلف اسباب ہیں جنھوں نے اس کو ناممکن بنا دیا ہے کہ قرآن کو کوئی غیر محفوظ کتاب بنا سکے۔

خدا سے ڈرو

قرآن ، جیساکہ معلوم ہے ، ۲۳ سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے اترا ۔ اس کا آغاز اقرأ (پڑھ) سے ہوا۔ پیغمبر کے واسطہ سے خدا انسان کو پڑھاتا رہا۔ وہ انسان کو اس کی زندگی کی تعمیر کے بارہ میں وہ تمام باتیں بتاتا رہا جس کو وہ خود سے نہیں جان سکتا تھا۔

اس طرح خدا کتاب ہدایت کے اجزا بھیجتا رہا ۔ یہاں تک کہ خدائی منصوبہ کے مطابق جب کتاب پوری ہوگئی تو اس کی آخری آیت اتری ۔ یہ ایک لمبی آیت ہے جو موجودہ قرآن میں سورہ مائدہ کی تیسری آیت کے طور پر شامل ہے ۔ اس آیت کا ایک حصہ یہ ہے :

الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلاتخشوھم واخشون الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ ۳)	آج منکرین تمہارے دین سے ناامید ہوگئے ، پس ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو ۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنے انعام کو پورا کر دیا۔

اس آیت سے مسلمانوں نے اپنے لئے فخر کی غذا تو بہت لی ہے مگر اس سے انھوں نے سبق کی غذا نہیں لی ۔ ہر مسلمان آپ کو یہ فخر کرتا ہوا ملے گا کہ ہمارا دین کامل ہے ۔ مگر ایسے لوگ آپ کو نہیں ملیں گے جو اس سے اس سبق کو لینے کی کوشش کریں جو اس آیت میں ہمارے لئے رکھ دیا گیا ہے ۔

"تم اب لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ صرف خدا سے ڈرو" اس سے یہ متعین ہو رہا ہے کہ مسائل میں مسلمانوں کے سوچنے کا انداز کیا ہونا چاہئے ۔ وہ یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان اپنے مسائل و مشکلات میں انسان کی طرف نہ دیکھیں بلکہ خدا کی طرف دیکھیں ۔

انسانوں کی طرف سے معاملہ پیش آئے تب بھی وہ خدا کی طرف متوجہ ہو جائیں ۔ وہ خدا کے ساتھ اپنے معاملہ کو درست کر کے سمجھیں کہ انسانوں کے ساتھ بھی ان کا معاملہ درست ہو جائے گا ۔

پیغمبر اسلام کا لایا ہوا دین چونکہ آخری دین ہے ، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس حد تک محفوظ اور مستحکم کر دیا ہے کہ کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہ سکے ۔ مسلمان اگر اپنے دین پر قائم ہوں تو یہی ان کے استحکام کی یقینی ضمانت بن جائے ۔

قرآن کی اس آیت میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ قرآن کے بعد خدا کا دین خشیتِ انسانی کے دور سے نکل کر خشیتِ خداوندی کے دور میں داخل ہوگیا۔ اب اگر اہل ایمان کو خطرہ ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ خدا کے دین کے معاملہ میں کوتاہی کریں۔

خشیت بشری کے دور کے ختم ہونے کا مطلب کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے ذریعہ انسانی تاریخ میں ایک ایسا انقلاب لایا گیا ہے جو ابدی طور پر اس دین کا محافظ بن گیا ہے۔ اس انقلاب کے مختلف پہلو ہیں :

۱۔ اس انقلاب کے ذریعہ مذہبی تعذیب (religious persecution) کا دور ختم ہوا اور مذہبی آزادی کا دور آگیا۔ اب یہ ممکن ہوگیا کہ آزادانہ طور پر قرآن کی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور اسی کے ساتھ آزادانہ طور پر لوگوں کو اس سے متعارف کیا جائے۔

۲۔ اس انقلاب کے بعد ساری دنیا میں آزادانہ تحقیق (free inquiry) کا دور شروع ہوا۔ اس کے نتیجہ میں خالص علمی طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ قرآن کے سوا تمام مذہبی کتابیں تاریخی اعتبار سے غیر معتبر ہیں۔ اب معتبر مذہبی کتاب صرف ایک ہے، اور وہ قرآن ہے۔

۳۔ اس انقلاب کے نتیجہ میں دنیا میں سائنسی دور آیا۔ فطرت کے راز دریافت ہوئے۔ اس کی وجہ سے قرآن کے بیانات خالص سائنسی معیار پر ثابت شدہ بن گئے۔ حتیٰ کہ کسی کے لیے اس کا انکار کرنا ناممکن ہوگیا۔

۴۔ اس انقلاب کے بعد پریس کا دور آیا اور جدید ذرائع ابلاغ تک انسان کی رسائی ہوئی۔ اس کے نتیجہ میں یہ ممکن ہوگیا کہ قرآن کے پیغام کو کسی رکاوٹ کے بغیر ساری دنیا کی قوموں تک پہنچایا جاسکے۔ دین حق کا کلمہ ہر چھوٹے بڑے گھر میں داخل کر دیا جائے۔

۵۔ اس انقلاب کے نتیجہ میں علم کا پھیلاؤ ہوا۔ حتیٰ کہ اس انقلاب نے قرآن اور اسلامی لٹریچر کو تمام دنیا کے ناشرین کتب کی ضرورت بنا دیا۔ تمام تعلیم گاہوں اور یونیورسٹیوں میں قرآن اور دین اسلام کی تعلیم کے شعبے کھل گئے۔ دنیا بھر کی لائبریریوں میں اسلامی لٹریچر فراہم کیا جانے لگا۔

اس معاملہ کی تفصیل راقم الحروف کی دوسری کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سائنس داں کی گواہی

سر جیمس جینس (James Jeans) مشہور انگریز سائنس داں ہے۔ وہ ۱۸۷۷ میں لندن میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴۶ میں ڈورکنگ میں ان کی وفات ہوئی۔ طبیعیات، میتھمیٹکس اور فلکیات میں انھوں نے بہت سی نئی دریافتیں کیں۔ کیمبرج یونی ورسٹی اور پرنسٹن یونی ورسٹی میں انھوں نے ۱۹۰۵ اور ۱۹۱۲ کے درمیان پروفیسر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں۔

اس زمانہ میں جب کہ سر جیمس جینس سائنس کے استاد تھے، ان کے شاگردوں میں ایک ہندستانی نوجوان بھی شامل تھا جو بعد کو علامہ عنایت اللہ مشرقی (۱۹۶۳-۱۸۸۸) کے نام سے مشہور ہوا۔ عنایت اللہ مشرقی انگلینڈ میں زمانۂ قیام کا ایک ذاتی واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں :

"۱۹۰۹ کا ذکر ہے۔ اتوار کا دن تھا اور زور کی بارش ہو رہی تھی۔ میں کسی کام سے باہر نکلا تو کیمبرج یونی ورسٹی کے مشہور ماہرِ فلکیات سر جیمز جینس پر نظر پڑی جو بغل میں انجیل دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے قریب ہو کر سلام کیا۔ انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ سلام کیا تو وہ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے : تم کیا چاہتے ہو۔ میں نے کہا کہ دو باتیں۔ اول یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے اور آپ نے چھاتا بغل میں داب رکھا ہے۔ سر جیمز اپنی بد حواسی پر مسکرائے اور چھاتا کھول لیا۔ دوم یہ کہ آپ جیسا شہرہ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کے لیے جا رہا ہے، یہ کیا۔

میرے اس سوال پر پروفیسر جیمز لمحہ بھر کے لیے رک گئے، اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: آج شام کو چائے میرے ساتھ پیو۔ چنانچہ میں شام کو ان کی رہائش گاہ پہنچا۔ ٹھیک ۴ بجے لیڈی جیمز باہر آکر کہنے لگیں : سر جیمز تمہارے منتظر ہیں۔ اندر گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی۔ پروفیسر صاحب تصورات میں کھوئے ہوئے کرسی پر بیٹھے تھے۔

کہنے لگے : تمہارا سوال کیا تھا۔ اور پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر اجرام آسمانی کی تخلیق، ان کے حیرت انگیز نظام، بے انتہا پہنائیوں اور فاصلوں، ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں، نیز باہمی کشش اور طوفان ہائے نور پر وہ ایمان افروز تفصیلات پیش کیں کہ میرا دل اللہ کی اس داستانِ کبریا و جبروت پر دہلنے لگا۔

سرجیمز جینس کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ سر کے بال سیدھے اٹھے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے حیرت وخشیت کی دوگونہ کیفیتیں عیاں تھیں۔ اللہ کی حکمت و دانش کی ہیبت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے اور آواز لرز رہی تھی۔ فرمانے لگے: عنایت اللہ خاں، جب میں خدا کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں تو میری تمام ہستی خدا کے جلال سے لرزنے لگتی ہے۔ اور جب میں چرچ میں خدا کے سامنے جھک کر کہتا ہوں کہ تو بہت بڑا ہے، تو میری ہستی کا ہر ذرہ میرا ہمنوا بن جاتا ہے۔ مجھے بے حد سکون اور خوشی نصیب ہوتی ہے۔ دوسروں کی نسبت مجھ کو عبادت میں ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے۔ کہو عنایت اللہ، کیا تمہاری سمجھ میں آیا کہ میں چرچ کیوں جاتا ہوں۔

علامہ عنایت اللہ مشرقی کہتے ہیں کہ پروفیسر جیمز کی اس تقریر نے میرے دماغ میں عجیب کہرام پیدا کر دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ جناب والا، میں آپ کی روح افروز تفصیلات سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ اس سلسلہ میں قرآن کی ایک آیت مجھے یاد آگئی۔ اگر اجازت ہو تو اس کو پیش کردوں۔ انھوں نے کہا کہ ضرور۔ اس کے بعد میں نے یہ آیت پڑھی:

ومن الجبال جُدَدٌ بیضٌ وحُمر مختلف الوانها وغرابیبُ سود۔ ومن الناس والدوابّ والانعام مختلفٌ الوانه کذلک۔ انما یخش اللہ من عباده العلماء (فاطر ۲۷–۲۸)	اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ مختلف رنگوں کے ٹکڑے ہیں، اور گہرے سیاہ بھی۔ اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی مختلف رنگ کے ہیں۔ اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

اس آیت کو پڑھنے کے بعد علامہ مشرقی نے اس کا انگریزی ترجمہ انھیں سنایا۔ اس کو سنتے ہی پروفیسر جیمز بولے: کیا کہا۔ اللہ سے صرف علم والے لوگ ڈرتے ہیں، حیرت انگیز، بہت عجیب۔ یہ بات جو مجھے پچاس برس مسلسل مطالعہ و مشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی، محمد کو کس نے بتائی۔ کیا قرآن میں واقعی یہ آیت موجود ہے۔ اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے۔ محمد اَن پڑھ تھے۔ ان کو یہ عظیم حقیقت خود بخود معلوم نہیں ہو سکتی۔ ان کو یقیناً اللہ نے یہ بات بتائی۔ بہت خوب، بہت عجیب۔

علم میں اضافہ اللہ کی معرفت میں اضافہ کرتا ہے۔ آدمی کا علم جتنا بڑھتا ہے اتنا ہی زیادہ اللہ پر اس کا یقین بڑھتا چلا جاتا ہے۔

قرآن کی تاثیر

اے جے آربری (A.J. Arberry) ایک انگریز مصنف ہے۔ اس نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ وہ عربی زبان بخوبی جانتا تھا۔ اس لیے وہ قرآن کو براہ راست اس کی اصل زبان میں سمجھ سکتا تھا۔ آربری نے لکھا ہے کہ جب بھی کسی کی زبان سے میں قرآن کو پڑھتے ہوئے سنتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں موسیقی کو سن رہا ہوں۔ قرآن کے رواں نغمہ میں مسلسل ایک قسم کے نقارہ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ میرے لیے یہ دل پر ضرب لگانے کی مانند ہے :

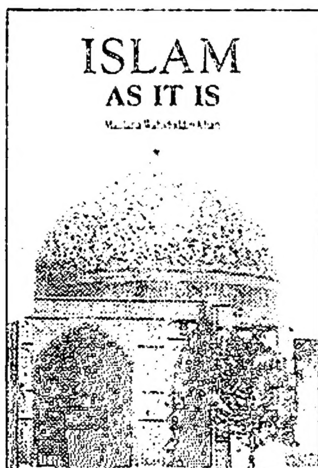
Whenever I hear the Qur'an chanted, it is as though I am listening to music. Underneath the flowing melody there is sounding all the time the incessant beat of a drum. It is like the beating of my heart.

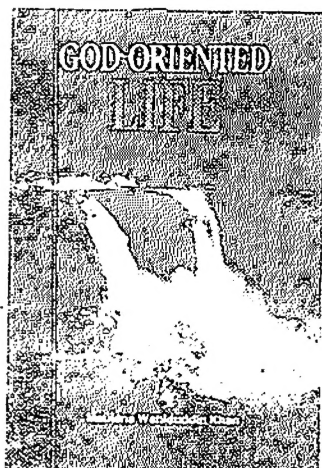
قرآن خدا کا کلام ہے۔ اس میں نہ صرف معنوی اعتبار سے غیر معمولی عظمت ہے، بلکہ اس کے لفظی آہنگ میں بھی انتہائی غیر معمولی قسم کا ربانی نغمہ پایا جاتا ہے۔ آدمی سمجھے بغیر بھی قرآن کی آواز سے متاثر ہوتا ہے، اور اگر وہ قرآن کو سمجھتا بھی ہو تو قرآن کا سننا اس کے دل کو ہلا دے گا، وہ اس کی روح میں ایک قسم کے بھونچال کی کیفیت پیدا کر دے گا۔

تربیت و تزکیہ کے لیے سب سے زیادہ کامیاب وسیلہ بلاشبہ قرآن ہے۔ آدمی اگر قرآن کو پڑھے یا اس کی قرأت کو سنے تو وہ اس کے اندر چھپے ہوئے فطرت کے تاروں کو چھیڑتا ہے، وہ اس کو ان روحانی کیفیات سے آشنا کرتا ہے جو خدا کی نسبت سے بندہ کے اندر پیدا ہونا مطلوب ہیں۔

اسی کے ساتھ قرآن سب سے زیادہ موثر دعوتی کتاب ہے۔ اگر قرآن کے ایسے کیسٹ تیار کیے جائیں جن میں کسی اچھے قاری کی قرأت محفوظ کی گئی ہو، اور قرأت کے بعد اس کا ترجمہ مختلف زبانوں میں ریکارڈ کیا گیا ہو، اور پھر اس کو جگہ جگہ سنایا جائے، تو وہ اسلام کی اشاعت کا نہایت کارگر ذریعہ ثابت ہوگا۔

قرآن تربیت بھی ہے اور دعوت بھی۔ قرآن زندگی کا رہنما بھی ہے اور ہر قسم کی برکت کا ذریعہ بھی۔ انسان جو کچھ چاہتا ہے، قرآن وہ سب کچھ ہے اور اس کے ساتھ مزید بہت کچھ بھی۔ مسلمان اگر صرف قرآن کو پکڑ لیں تو وہ تنہا ان کے لیے ہر اعتبار سے کافی ہو جائے۔





ISLAM AS IT IS

By Maulana Wahiduddin Khan

Pages 114 Rs. 40

In *Islam As It Is*, Maulana Wahiduddin Khan presents the fundamental teachings of Islam in a manner which will appeal directly to both general readers and students of Islam.

Simple and straightforward in style, *Islam As It Is* gives the reader an accurate and comprehensive picture of Islam — the true religion of submission to God.

GOD-ORIENTED LIFE

By Maulana Wahiduddin Khan

Pages 186 Rs. 60

The traditions -- Sunnah – of the Prophet Muhammad, upon whom be peace, and the lives of his companions and those closely associated with them, serve as a major source of religious enlightenment in theory and in practice. This book endeavours to present these ideas in the simplest and most direct way. In that it culls from authentic sources the sayings and deeds of the Prophet and those inspired by him, it brings to us a complete and, above all, human picture of true Islamic behaviour.